اللہ
خود قرآن کا محافظ ہے

بے شک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

قرآن
مجید
حمید
حکیم
موعظة
ھدیٰ
مبین
بشریٰ
تنزیل
ذکر
ذکریٰ
تذکرہ
نذیر
نور
فرقان
تبیان
برھان
بیان

مجمع العلماء الاسلامی

مجمع العلماء الإسلامي
Group of Islamic Scholars

GIS
GROUP OF ISLAMIC SCHOLARS
أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر

GIS
GROUP OF ISLAMIC SCHOLARS

BAQIYATULLAH ISLAMIC PUBLICATIONS

اللہ

خود قرآن کا محافظ ہے

مجمع العلماء الاسلامی

نام کتاب ---------- اللہ خود قرآن کا محافظ ہے۔
تالیف ---------- مرکز الرسالۃ
ترجمہ ---------- مولانا محمد تقی یزدانی
تصحیح ---------- مولانا سجاد حسین مہدوی
ناشر ---------- مجمع العلماء الاسلامی
تاریخ اشاعت ---------- ستمبر ۱۹۹۹
فیکس نمبر ---------- ۰۰۹۸_۲۵۱_۹۳۳۴۵۷

E-mail Adress: gis-qom@noornet.net

اس کتاب کے موضوعات

کچھ اپنے بارے میں ——— ۱

پیش لفظ ——— ۵

تحریف کے معنی ——— ۷

قرآن میں عدمِ تحریف کے دلائل ——— ۱۰

شیعہ علماء اور نفیِ تحریف ——— ۲۰

تحریف کی روایات ——— ۲۷

تین اہم حقائق! ——— ۲۸

روایاتِ تحریف کے بارے میں شیعہ علماء کا موقف ——— ۳۰

شیعہ کتابوں میں تحریف کی روایتوں کے نمونے ——— ۳۲

شبہات اور ان کے جواب ——— ۳۹

اہل سنت اور نفیِ تحریف ——— ۴۳

دو اہم حقیقتیں ——— ۴۵

اہل سنت کی کتابوں میں تحریف کی روایات ——— ۴۹

قرآن کی تدوین ——— ۶۷

قرآن کی تدوین اور تحریف کا مسئلہ ——— ۶۸

آنحضورؐ کے زمانے میں تدوین قرآن کی دلیلیں ——— ۶۹

قرآن کی تدوین اور شیخین کا زمانہ ——— ۷۶

عثمانی دورِ حکومت میں تدوین قرآن ——— ۸۲

سخنِ آخر ——— ۸۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ اپنے بارے میں

"الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونہ و لایخشون احدا الا اللہ"

"جو لوگ (علماء) اللہ کے احکامات کو پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور وہ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے"۔ (سورہ احزاب، آیت ۳۹)

جیسا کہ ہم اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ خداوند عالم نے انسان کو دو چیزوں کا مجموعہ قرار دیا ہے، ایک روح اور دوسرے بدن۔ چنانچہ یہ بدیہی بات ہے کہ ایسے موجود کو اس دنیا میں ایسے اساسی قوانین کی ضرورت ہوگی جنہیں بنیاد بنا کر وہ اپنی زندگی میں توازن برقرار رکھ سکے۔ ایسے ہی قوانین کے مجموعہ کا نام "اسلام" ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

"ان الدین عنداللہ الاسلام" "بیشک خدا کے نزدیک دین فقط اسلام ہی ہے"۔
(سورہ شوریٰ، آیت ۱۹)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ واضح طور پر بتادیا کہ انسان اپنی دینی اور دنیوی احتیاجات کو صرف اور صرف اسلام ہی کے سائے میں پورا کر سکتا ہے۔

اس دین کو خدا نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انسانوں تک پہنچایا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ
و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ ....."

"وہ خدا ایسی ذات ہے کہ جس نے (امیین) کے درمیان انہی میں سے رسول بھیجا کہ جو ان پر اللہ

کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کے بعد خدا نے اس الٰہی رسالت کو رسولؐ کے نائبین برحق کے حوالے کیا اور آئمہ طاہرینؑ نے اپنے اپنے دور میں اس ذمہ داری کو بطور احسن اور اتم انجام دیا۔ اور اب جبکہ خدا کی آخری حجت (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) پردۂ غیب میں ہیں ان کے نائبین یعنی "علماء" پر لازم ہے کہ اس اہم الٰہی فریضے کو انجام دیں، کیونکہ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے۔

"العلماء ورثة الانبياء" "علماء انبیاء کے وارث ہیں"۔

بیشک یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کا خوف رکھتے ہیں اور اس کے سامنے خاضع و خاشع ہیں جیسا کہ خدائے وحدہ لاشریک کا اپنی کتاب مقدس میں ارشاد ہے۔

"انما يخشى الله من عباده العلماؤ" "اللہ سے فقط علماء ہی ڈرتے ہیں"۔

لہذا اس الٰہی اور مقدس فریضہ و پیغام کو بنی نوع انسان تک پہنچانے کیلئے چند علماء اور فضلاء کرام نے خداوند عالم کے اس فرمان عظیم "ولتكن منكم امة يدعون الى الخير" (ضرور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو نیکی کی طرف دعوت دے) کے پیش نظر، اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا اور اس احساس کی بدولت کوشش کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مختلف ابواب سے متعلق معلومات سریع ترین اور جدید ترین وسائل کے ذریعہ فراہم کریں۔ اس سلسلے میں فقہی احکام، عقائد، تاریخ اسلام، تفسیر و تشریح آیات قرآن کریم اور دیگر اسلامی تعلیمات کے بارے میں سوالات کے جواب دینے کا امکان فراہم کیا گیا ہے۔

ان وظائف و فرائض اسلامی کو مد نظر رکھتے ہوئے اور انہیں منظم طور پر انجام دینے کیلئے ایک دینی اور تبلیغی ادارہ بنام "مجمع العلماء الاسلامی" کی بنیاد رکھی گئی ہے تاکہ حتی المقدور اپنے الٰہی فریضے کو انجام دینے میں دوسرے تمام علماء اسلام کے ساتھ سہیم و شریک ہو سکیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس طریقہ سے ہم جدید دور میں اسلامی تحریکوں اور مسلمانوں کی بعض فکری مشکلات کو حل کر سکیں گے۔ "والله هو الموفق المعين بحق محمد و آله الطاهرين اجمعين"۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور درود و سلام ہوں تمام انبیاء سے افضل ہمارے نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور ان کی پاک آل پر۔

قرآن کریم اللہ کی وہ کتاب ہے جو اس کے امین پیغمبرؐ پر نازل ہوئی۔ یہ اسلام کا دائمی دستور ہے۔ باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن اسلامی شریعت کا پہلا سرچشمہ اور اسلامی معارف اور عقیدہ و نظام کا بنیادی منبع ہے اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے اس قرآن کو تحریف سے بچانے اور اسے حرف بحرف اسی طرح سے لوگوں تک پہنچانے کی پوری کوشش کی کہ جس طرح سے وہ نازل ہوا تھا۔ آپؐ کیونکر ایسا نہ کرتے کہ یہی تو آپ کی نبوت کی دلیل اور دائمی معجزہ ہے۔

جن حالات میں یہ قرآن نازل ہوا ان کے مطابق اسے ہر قسم کی تحریف سے محفوظ بھی ہونا چاہیے کیونکہ رسول اکرمؐ خود ذاتی طور پر نصوص قرآنی کو ترتیب کے ساتھ لکھواتے تھے اور آپؐ نے ایسے کاتبین وحی کا انتظام کر رکھا تھا کہ جو وحی نازل ہوتے ہی اسے رشتہ تحریر میں لے آتے اور آپ بنفس نفیس ہر آیت کو سورۃ میں اس کی مناسب جگہ پر لکھواتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپؐ قرآن کریم کو ازبر پڑھنے اور سیکھنے کا بھی حکم دیا کرتے تھے تاکہ اسے محفوظ کیا جاسکے۔

مزید یہ کہ خود مسلمان بھی ہمیشہ پوری تن دہی کے ساتھ اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ اس میں ایک حرف کی بھی تبدیلی واقع نہ ہو۔ کیونکہ یہ ان کا مقدس دستور اور پروردگار کی وہ کتاب ہے کہ جس میں وہ اپنے رسولؐ کے بارے میں فرماتا ہے: "اگر رسول ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنا لیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے"۔

اہل بیت علیہم السلام جو کہ حدیث ثقلین کے مطابق قرآن کے ہم پلہ اور اسکی نظیر ہیں، انہوں نے بھی بڑی صراحت کے ساتھ ہر قسم کی کمی یا زیادتی سے قرآن کے محفوظ رہنے کا اعلان فرمایا ہے اور شیعہ و سنی مکاتب فکر کے محقق علماء نے بھی اس سلسلے میں ان کی پیروی کی ہے۔ البتہ علماء کی ایک بہت ہی قلیل تعداد نے اس کتاب الٰہی میں تحریف کی حمایت کی ہے۔ ان کا تکیہ ایسی روایات پر ہے جن کی اسناد صحیح نہیں ہیں یا پھر ایسی صحیح روایات پر ہے کہ جن کا ایک معقول حل اور مناسب تاویل موجود ہے۔

زیر نظر کتاب حجم میں چھوٹی ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے اور فریقین کی کتابوں میں موجود قابل قبول براہین کے ذریعے یہ ثابت کرتی ہے کہ قرآن کریم ہر قسم کی تحریف اور کمی یا زیادتی سے پاک ہے اور اس بارے میں موجود اہم شبہات کا بہترین اور منطقی حل بھی پیش کرتی ہے۔

و من اللہ التوفیق.

مرکز الرسالۃ

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجَاؕ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ یُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًاۙ

ساری حمد اس خدا کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی ہے اور اس میں کسی طرح کی کجی نہیں رکھی ہے۔ اسے بالکل ٹھیک رکھا ہے تاکہ اس کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے اور جو مومنین نیک اعمال کرتے ہیں انہیں بشارت دے دے کہ ان کے لیے بہترین اجر ہے۔ (کہف۔ ۱، ۲)

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ

یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم بنائی گئی ہیں اور ایک صاحب علم و حکمت کی طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ (ہود۔ ۱)

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ

یہ وہ باعزت کتاب ہے جس کے قریب، سامنے یا پیچھے کسی طرف سے باطل آ بھی نہیں سکتا ہے کہ یہ خدائے حکیم و حمید کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ (حٰمٓ سجدہ)

ذٰلِكَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ صاحبانِ تقویٰ اور پرہیزگاروں کے لیے مجسم ہدایت ہے۔ (بقرہ۔ ۲)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ

تو آپ کہہ دیجیے کہ اس قرآن کو روح القدس جبرئیل نے تمہارے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ صاحبانِ ایمان کو ثبات اور استقلال عطا کرے اور یہ اطاعت گزاروں کے لیے ایک ہدایت اور بشارت ہے۔ (نحل۔۱۰۲)

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

یقیناً ان کے واقعات میں صاحبانِ عقل کے لیے سامان عبرت ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے گڑھ لیا جائے۔ یہ قرآن تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں ہر شے کی تفصیل ہے اور یہ صاحبانِ ایمان قوم کے لیے ہدایت اور رحمت بھی ہے۔ (یوسف۔۱۱۱)

بہترین درود و سلام ہوں خدا کے رسولؐ پر جسے اس نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو ناپسند ہو، اور آپؐ کے ان برگزیدہ اہل بیت پر جو قرآن کے محافظ اور قیامت تک اس کے ساتھی ہیں۔

موجودہ قرآن وہی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معجزہ اور چیلنج بنا کر اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا تھا اور اس کے ذریعے احکام کی تعلیم اور حلال و حرام کی تمیز سکھائی تھی۔ اس کی سورتوں اور آیات کی تعداد وہی ہے جو نزولِ وحی کے زمانے میں تھی اور اس کی تمام آیات، سورتوں اور کلمات کے متواتر قطعی ہونے پر مسلمانوں کے تمام مذاہب اور فرقوں کا اتفاق ہے۔ لیکن بعض ایسی روایات کا سہارا لیتے ہوئے کہ جن کا ظاہری معنی یہ ہے کہ قرآن میں کمی واقع ہوئی ہے، چند لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آسمانی کتاب میں تحریف ہوئی ہے۔ لیکن ان روایات کی یا تو اسناد صحیح نہیں ہیں یا یہ اخبار واحدہ ہیں جن کا کوئی علمی و عملی فائدہ نہیں ہے یا پھر ان کی کوئی قابل قبول تاویل موجود ہے اور اگر ان میں سے کوئی بھی ممکن نہ ہو تو عالمِ اسلام کے علماء صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ ایسی روایات کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ دیوار پر مارے جانے کے قابل ہیں۔

تحریف کے معنی

تحریف کے لغوی معنی :

کسی چیز کے کنارے اور جانب کو "حرف" کہتے ہیں۔

پس تحریف یعنی کسی چیز کو اپنی جگہ سے دوسری جانب پھیر دینا۔ ارشاد خداوندی ہے :وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ (اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے پر کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔) (حج۔۱۸)

علامہ زمخشری کہتے ہیں :"حرف سے مراد ہے دین کے کنارے پر۔ نہ کہ اس کے قلب میں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ دین میں متزلزل و مضطرب ہیں اور اطمینان و سکون سے محروم ہیں۔(۱)

تحریف کے اصطلاحی معنی :

اس فن کے ماہرین کی اصطلاح میں "تحریف" کے کئی معنی ہیں۔

☆ تحریفِ ترتیبی : یعنی آیت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر دینا۔ یہ تبدیلی شرعی دستور کی بناء پر یا اپنے اجتہاد کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس تحریف کے واقع ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ کتنی ہی مکی آیات مدنی آیات کے درمیان اور اسی طرح مدنی آیات مکی آیات کے بیچ میں نظر آتی ہیں۔

☆ تحریفِ معنوی : یعنی قرآن کے کسی لفظ سے ایسے بعید معنی مراد لینا جو مشہور تفسیر کے خلاف ہو اور اس لفظ کے ظاہر کے ساتھ بھی مربوط نہ ہو۔

تحریف کی یہ قسم بھی قرآن میں واقع ہوئی ہے۔ یہ بغیر علم کے قرآن کی تاویل کرنا ہے جو کہ بالاجماع حرام ہے۔ کیونکہ رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے :"جس نے قرآن میں بغیر علم کے بات کی اس

نے اپنا ٹھکانا آگ میں بنالیا"۔(۲) اسی کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہے۔ حضور اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو شخص اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرے اور حق کو پالے تو بھی اس نے غلطی کی۔"(۳)

یہ معنی، تحریف کلام کے لغوی معنی ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔

تحریف لفظی:

اس کی بھی کئی قسمیں ہیں:

ا۔ زیادتی اور کمی کے ذریعے تحریف: اس کی تین قسمیں ہیں:

(الف) حروف یا حرکات کی تحریف: اس کا تعلق قرآن مجید کی مختلف قرائتوں سے ہے۔ یہ قسم بھی سوائے ان چند الفاظ کے ہر جگہ پر باطل ہے کہ جن میں عربی قواعد اور مسلمانوں کی اکثریت کی قرائت کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ جیسے

وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ.. (۴) اس میں ارجل کو زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور زبر کے ساتھ بھی اور اس بارے میں صحیح احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔

(ب) الفاظ کی تحریف: یہ اگر خود قرآن میں ہو تو اجماعاً باطل ہے اور اگر کسی مشکل لفظ کی وضاحت کے لئے ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔

(ج) آیات یا سورتوں میں تحریف: یہ اجماعاً باطل ہے۔(۵)

ا۔ زیادتی کے ذریعے تحریف: یعنی یہ قرآن جو ہمارے پاس موجود ہے اس کا کچھ حصہ کلام الٰہی نہیں ہے۔ اس قسم کی تحریف کے باطل ہونے پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہے بلکہ اس کو باطل ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ان آیات کے برخلاف ہے جو چیلنج کرتے ہوئے کہتی ہیں:

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا

الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا

(اے رسول) کہہ دو! اگر جن وانس اس جیسا قرآن لانے کے لیے جمع ہو جائیں تو بھی اس کی نظیر نہیں لا سکتے اگرچہ یہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔ (بنی اسرائیل۔ ۸۸)

۲۔ قرآن میں کمی کے ذریعے تحریف: یعنی یہ موجودہ کتاب اس پورے قرآن پر مشتمل نہیں ہے جو آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اس کا کچھ حصہ لوگوں کے ہاتھوں جان بوجھ کر ضائع کر دیا گیا ہے یا وہ اسے بھول گئے ہیں۔ یہ ضائع ہو جانے والا حصہ لفظ، آیت یا سورۃ بھی ہو سکتا ہے۔ تحریف کی یہی قسم مورد بحث ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ تحریف قرآن میں واقع ہوئی ہے اور ان کی دلیل ایسی احادیث ہیں جو یا تو سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں یا ان کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ بصورت دیگر یہ احادیث باطل اور جعلی ہیں اور مسلمانوں کے محقق علماء نے ان سے روگردانی کی ہے جیسا کہ آگے آنے والے مضامین سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

قرآن میں عدم تحریف کے دلائل

تحریف بہ معنیٰ کمی سے قرآن کا محفوظ ہونا ان ناقابلِ تردید حقائق میں سے ہے جو تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے اور اس کے بارے میں مزید کسی دلیل یا تفصیلی بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بعض غیر مسلم منصف مزاج دانشوروں نے بھی صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ مشہور دانشور استاد "لوبلو" کہتا ہے: "آج قرآن ہی وہ واحد آسمانی کتاب ہے جس میں کسی قسم کی کوئی قابلِ ذکر تبدیلی نہیں ہوئی ہے"۔

سر ولیم موئر کا کہنا ہے: "حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا قرآن بغیر کسی تحریف کے پورے تواتر کے ساتھ مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے اور اس کی حفاظت کا اس قدر خیال رکھا گیا ہے کہ اس میں کسی قسم کی قابلِ ذکر تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ وسیع و عریض اسلامی ممالک میں قرآن کے جو بے شمار نسخے موجود ہیں ان میں سے ایک میں بھی کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے"۔(۷)

اسی سے ملتی جلتی بات "بلوشر" نے بھی کہی ہے۔(۸) اور محقق علماء نے کئی دندان شکن دلیلوں کے ذریعے اس بات کو ثابت کیا ہے، جن کے ہوتے ہوئے معتبر ہونے کے باوجود ان روایات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی جو بظاہر تحریف کو ثابت کرتی ہیں خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اور اس افسانے کو حقیقت ثابت کرنے والی تمام دلیلیں مسترد ہو جاتی ہیں چاہے علماء کی کتنی ہی بڑی تعداد اس کی حمایت کیوں نہ کرے جبکہ ایسے علماء شاذ و نادر ہی ہیں۔

۱۔ خود اللہ تعالیٰ کا قرآنِ کریم کی حفاظت کرنا:

چنانچہ کسی بھی تاریخی دستاویز کو قرآن کریم جیسی واضح بقاء حاصل نہیں ہوئی۔ یہ وہ آسمانی کتاب ہے کہ جسے تحریف اور خواہشاتِ نفسانی کے شکار لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بننے سے محفوظ

رکھنے کا خود مشیت الٰہی نے بیڑا اٹھایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: "بیشک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" (حجر۔۹)

مفسرین کے بقول اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن کریم ہے اور اس میں حفاظت کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کا واضح مصداق' قرآن کا تحریف سے محفوظ ہونا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ خود اس کتاب کو کمی یا زیادتی سے محفوظ رکھنے کا بیڑا نہ اٹھاتا تو اس میں بھی دوسری آسمانی کتابوں کی طرح بہت کچھ شامل کر دیا جاتا۔ جیسا کہ اب ان کتابوں میں سوائے یہودہ باتوں اور باطل مضامین کے کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن قرآن مجید ہر قسم کی بیرونی مداخلت اور ملاوٹ سے پاک ہے اور سوائے کلام اللہ کے اس میں کچھ اور شامل نہیں ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی صراحت کے ساتھ اس عظیم کتاب سے ہر قسم کے باطل کی نفی کی ہے۔ چنانچہ سورۂ حٰمٓ سجدہ آیت ۴۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ☆ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ

"یہ وہ باعزت کتاب ہے جس کے قریب، سامنے یا پیچھے کسی طرف سے باطل آ بھی نہیں سکتا ہے کہ یہ خدائے حکیم و حمید کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔"

اور تحریف یقینی طور پر باطل کا ایک واضح مصداق ہے۔ بنابریں قرآن کریم نزول سے لے کر قیامت تک تحریف سے محفوظ ہے کیونکہ یہ اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جو تمام کمالات کی مالک اور عالم و دانا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جس باطل کو دامن قرآن سے دور بتایا گیا ہے اس میں تحریف بھی شامل ہے کیونکہ اس میں "عزت" کو قرآن کریم کی ایک صفت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور کسی چیز کی عزت تب ہی ہو سکتی ہے جب وہ ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ اور دوسروں کے ہاتھوں میں کھلونا بننے اور ضائع ہونے سے بھی محفوظ رہے اور اس میں ایسی دخل اندازی نہ ہو جو اسے داغدار کر دے اور اس کے تقدس کی پامالی کا سبب بن جائے۔

۳۔ فرمان الٰہی ہے :

اِنَّا عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ☆ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ☆ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا تو یقینی ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اس کو (جبرئیل کی زبانی) پڑھیں تو تم بھی اسی طرح پڑھا کرو پھر اس کا سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ (قیامت، ۱۷۔۱۹)

ابن عباس وغیرہ سے روایت ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا جمع کرنا اور آپ کو پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے تاکہ آپ اسے یاد کر لیں اور اس کی تلاوت کر سکیں۔ پس آپ اس کے کسی حصے کے ضائع ہونے کا خوف نہ رکھیں۔ (۹)

۴۔ حدیث ثقلین :

فریقین نے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا : "میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت اہلبیت۔ جب تک تم ان دونوں کے ساتھ متمسک رہو گے، کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ (۱۰)

اس حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات اور سورتیں نبی کریمؐ کے زمانے ہی میں جمع ہو چکی ہوں تاکہ اسے کتاب کہا جا سکے نیز قرآن مجید قیامت تک اسی طرح رہے، جس طرح سے نبی اکرمؐ کے زمانے میں تھا تاکہ قرآن و عترت کا دامن تھام کر امتِ مسلمہ اور عالمِ بشریت کو ابدی ہدایت حاصل ہو سکے۔ بصورتِ دیگر قرآن کی پیروی اور اس کے ساتھ تمسک اختیار کرنے کا حکم ایک بے معنی سی بات ہو گی جبکہ حکم دینے والے کو معلوم بھی ہو کہ مستقبل میں یہ تحریف کا شکار ہو جائے گا۔

۵۔ وہ روایات جو احادیث کو قرآن پر پیش کرنے کا حکم دیتی ہیں :

ایسی روایات کثیر تعداد میں ہیں جو یہ حکم دیتی ہیں کہ احادیث کو قرآن پر پیش کیا جائے، اگر اس کے موافق ہوں تو ٹھیک، ورنہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "حضور نبی اکرمؐ نے منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! میری طرف سے جو بھی حدیث تم تک پہنچے اگر وہ کتابِ خدا کے موافق ہو تو اسے لے لو اور اگر مخالف ہو تو وہ میری حدیث نہیں ہے۔(۱۱)

امام صادق علیہ السلام صحیح سند کے ساتھ ایک روایت میں فرماتے ہیں: "جب تمہارے پاس دو مخالف حدیثیں آئیں تو انہیں خدا کی کتاب پر پیش کرو۔ جو اس کے موافق ہو اسے لے لو اور جو مخالف ہو اسے ترک کر دو۔"(۱۲) یہ قاعدہ کتابِ الٰہی سے تحریف کو قطعی طور پر مسترد کر دیتا ہے۔ کیونکہ جس پر حدیث کو پیش کرنا ہو، اسے یقینی طور پر صحیح و سالم ہونا چاہیے کیونکہ وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کا معیار ہے لہٰذا خود معیار کے بارے کوئی شک نہیں ہونا چاہیے اور زمانِ نبوت سے لے کر اب تک اگر قرآن کی آیات اور سورتیں تحریف سے محفوظ نہیں ہیں تو یہ قاعدہ لغو ہے اور اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

محقق کرکی (متوفی۔ ۹۴۰ھ) نے قرآن کریم میں کمی نہ ہونے کے بارے میں ایک علیحدہ کتابچہ تحریر کیا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں: "جائز نہیں ہے کہ جس کتاب پر حدیث کو پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد اس موجودہ متواتر قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں ہو سکتی۔ ورنہ تو یہ "تکلیفِ مالایطاق" (یعنی ایسی ذمہ داری جسے انجام دینے کی طاقت انسان میں نہ ہو) ہو گی۔ پس احادیث کو اسی کتاب پر پیش کرنا ضروری ہے اور کمی والی احادیث کو جب قرآن پر پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس کے مخالف ہیں۔ کیونکہ ان کے مطابق یہ کتاب وہ نہیں کہ جس پر احادیث کو پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے"۔(۱۳)

۶۔ زمان رسالت سے لے کر آج تک کسی بھی سورۃ یا آیت کا قرآن کا حصہ ہونا صرف تواتر قطعی ہی سے ثابت ہو سکتا ہے اور یہ بات تحریف کے امکان کو مسترد کر دیتی ہے کیونکہ جس چیز کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ وہ قرآن کا حصہ تھا اور اب ضائع ہو گیا ہے تو یہ بات ہم تک خبر واحد کے ذریعے پہنچی ہے، جس سے قرآن ثابت نہیں ہوتا۔ خواہ وہ خبر واحد صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ حر عاملی (متوفی۔ ۱۱۰۴ھ) فرماتے ہیں: جو شخص احادیث اہلبیتؑ میں جستجو اور تاریخ وغیرہ کی ورق گردانی کرے تو اسے مکمل یقین حاصل ہو جائے گا کہ قرآن تواتر کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔ اسے ہزاروں صحابہ نے حفظ کیا تھا اور ہزاروں ہی نے نقل کیا ہے اور حضور اکرمؐ کے زمانے ہی سے یہ ایک مکتوب مجموعہ تھا۔

شیخ محمد جواد بلاغی (متوفی۔ ۱۳۵۲ھ) اس بارے میں کہتے ہیں: "تمام مسلمانوں کے درمیان ہر نسل میں متواتر ہونے کی وجہ سے قرآن کے الفاظ، جملوں اور سورتوں کی ترتیب اور قرائت کا انداز ایک ہی اسلوب پر قائم ہے"۔

۷۔ قرآن کے تحریف نہ ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے سوائے چند ایسے علماء کہ جن کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ محقق کلباسی (متوفی۔ ۱۲۶۲ھ) اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "جو روایات تحریف پر دلالت کرتی ہیں وہ امت کے اجماع کے خلاف ہیں۔ سوائے ان چند علماء کے جن کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے"۔ (۱۵)

شیخ جعفر کاشف الغطاء (متوفی۔ ۱۲۲۸ھ) اپنی کتاب کشف الغطاء میں رقم طراز ہیں: "موجودہ قرآن مکمل طور پر کلامِ الٰہی ہے اور اس کی دلیل مسلماتِ مذہب بلکہ مسلماتِ دین، اجماعِ مسلمین اور نبی اکرمؐ کی روایات ہیں۔ اگرچہ بعض ایسے افراد نے اس کی مخالفت کی ہے جن کے قول کی کوئی اہمیت نہیں ہے"۔ (۱۶)

۸۔ قرآن کریم ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے اور تحریف کا نظریہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ علامہ حلی (متوفی۔ ۷۲۶ھ) فرماتے ہیں: "تحریف کا نظریہ رسول اکرمؐ سے تواتر کے ساتھ نقل ہونے والے اس معجزہ کو ختم پہنچاتا ہے"۔ (۱۷) کیونکہ تحریف کی وجہ سے حقیقی معنی ختم ہو جائے گا اور اعجاز کا دارومدار فصاحت وبلاغت پر اور ان دونوں کا انحصار معنی پر ہے۔ لہذا اگر تحریف ہے تو پھر اعجاز کی نفی کرنا ہوگی۔ پس زیادتی یا تبدیلی کا احتمال باطل ہے کیونکہ زیادتی کے معنی یہ ہوں گے کہ انسان قرآن کی نظیر لانے کی طاقت رکھتا ہے جبکہ یہ ان آیات کی مخالفت کرتا ہے جو چیلنج دے کر

اور اعجاز کا دارومدار فصاحت وبلاغت پر اور ان دونوں کا انحصار معنی پر ہے۔ لہذا اگر تحریف ہے تو پھر اعجاز کی نفی کرنا ہوگی۔ پس زیادتی یا تبدیلی کا احتمال باطل ہے کیونکہ زیادتی کے معنی یہ ہوں گے کہ انسان قرآن کی نظیر لانے کی طاقت رکھتا ہے جبکہ یہ ان آیات کی مخالفت کرتا ہے جو چیلنج دے کر کہتی ہیں: "اگر تم اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہو تو جیسا کلام ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے ایسی ایک سورۃ لا کے دکھادو"۔ (بقرۃ۔ ۲۳) اسی طرح سے بلاغت سے بھرپور دلکش اسلوب کے حامل کسی جملے سے ایک یا چند کلمات کے کم ہونے کا امکان بھی مسترد ہو جاتا ہے کیونکہ کلمات کا حذف ہو جانا اس کی ترتیب اور ترکیب کو بگاڑ دے گا اور اس کی حقیقی خوبی ضائع ہو جائے گی۔ پس اس کے ذریعے سے چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔

۹۔ قرآن کریم حضور اکرمؐ ہی کے زمانے میں جمع کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ رسول اکرمؐ کی کئی حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ آپؐ اپنے اصحاب کو قرآن پڑھنے، اسے حفظ کرنے اور اس میں تدبّر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ مجھ سے روایت ہونے والی ہر حدیث کو قرآن پر پرکھو۔ جیسا کہ بعض اصحاب نے حضورؐ ہی کے زمانے میں قرآن کو ختم کر لیا تھا اور اس کی تلاوت اور حفظ بھی کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ روایات کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام سال میں ایک مرتبہ آپؐ کے ساتھ قرآن کی تطبیق کے لیے آتے تھے اور وفات والے سال دوبار اسی مقصد سے آئے تھے۔ یہ دلیل قرآن میں تحریف اور تبدیلی کے قائل حضرات کے ان تمام خام خیالوں کو باطل ثابت کر دیتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو جمع کرنے کی کیفیت اور اس میں پیش آنے والے مختلف مرحلوں کا عام طور پر لازمہ یہی نکلتا ہے کہ قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہو۔ (اس کی تفصیل قارئین اسی کتاب کے آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

۱۰۔ حضور اکرمؐ اور مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں اہتمام:

پیغمبر اکرمؐ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ قرآن کی سورتیں نازل ہوتے ہی مسلمانوں کے درمیان پھیل جائیں۔ آپ مسلسل ان کو پڑھنے اور ان کو حفظ کرنے پر زور دیتے اور

مسلمان اس کی طرف کھنچے چلے جاتے اور اپنی فطری قوت حافظہ کے ذریعے اسے حفظ کرنے اور اس کی تلاوت کا شرف حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ اس وقت اسلام کا شعار اور مسلمانوں کا امتیاز یہی تھا کہ نبوت کے اس دائمی معجزے اور احکام شرعیہ کے سرچشمے کو مناسب ترین اور کامل ترین انداز سے حفظ کیا جائے۔ مسلمانوں کی یہ روش مسلسل جاری رہی یہاں تک کہ ابتدائے اسلام میں ہی قرآن کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں حافظ اور لکھنے والے شمار کئے گئے ہیں۔ اس صورت حال میں کس طرح ممکن ہے کہ قرآن کریم کا کوئی حصہ ضائع ہو گیا ہو۔

۱۱۔ قرآن کریم میں کسی بھی قسم کی تبدیلی پر مسلمان بہت گہری اور کڑی نظر رکھا کرتے تھے کیونکہ قرآن کی حفاظت اور اس کے حروف اور حرکتوں تک کو محفوظ رکھنے کے کئی محرکات موجود تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے جب قرآن کا نسخہ لکھوالیا تو اس آیت "وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ .... "(توبہ۔ ۳۴) میں سے "و الذین" کی واو کو ہٹانا چاہا۔ یہ دیکھ کر اُبی نے کہا: اسے ساتھ رہنے دو ورنہ میں تلوار نکال لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اسے ہٹانے سے گریز کیا۔(۱۸)

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عمر نے سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۰ "وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ" میں الانصار کو پیش کے ساتھ اور "الذین" کو بغیر واو کے پڑھا۔ یہ دیکھ کر زید بن ثابت نے کہا: "وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ"۔ حضرت عمر نے دوبارہ کہا: "اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ"۔ جواب میں زید نے صرف اتنا کہا کہ امیر المومنین بہتر جانتے ہیں۔ زید کا یہ انداز دیکھ کر حضرت عمر نے حکم دیا کہ ابی ابن کعب کو بلایا جائے۔ اس کے آنے کے بعد جب پوچھا گیا تو اس نے کہا: "وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ" یہ سن کر حضرت عمر نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم اُبی کی پیروی کریں گے۔(۱۹)

مذکورہ واقعات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ خلیفۂ وقت ایک حرف کو حذف نہیں کر سکتا تو

دوسرا کوئی کس طرح سے قرآن میں دست درازی یا اس کی آیات یا سورتوں کو حذف کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

۱۲۔ تاریخی حقائق بھی تحریفِ قرآن کے دعوے کو جھٹلاتے ہیں۔ کیونکہ زمانِ پیغمبرؐ میں تو تحریف کا واقع ہونا بالکل ہی نامعقول بات ہے کیونکہ خود حضور اکرمؐ قرآن کے لکھے جانے، اسے حفظ کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی نگرانی کیا کرتے تھے اور اسے کئی مرتبہ آپؐ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔

رسول اکرمؐ کے زمانے کے بعد بھی حکومتی یا غیر حکومتی ذریعوں سے قرآن میں تحریف ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ کیا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور آنحضرتؐ کے دوسرے مخلص صحابہ ایسے خطرناک کام پر خاموش رہ سکتے تھے کہ جو اسلام کی بنیاد کو متزلزل کر دے۔ اگر ایسا ہوتا تو سعد بن عبادہ اور اس کے جن ساتھیوں نے حضرات ابوبکر اور عمر کی بیعت نہیں کی تھی اور ان کی خلافت پر اعتراض کیا تھا' اس بات کو اپنے موقف کی دلیل بنا لیتے۔ نیز امیر المومنینؑ اور دوسرے صحابہ پر ہر حال میں حقیقی قرآن کو منظر عام پر لانا اور تحریف شدہ مقامات کی نشاندہی کرنا واجب ہوتا۔ لیکن ہمیں تاریخ میں ایسا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ جناب امیرؑ کے مشہور و معروف خطبۂ شقشقیہ میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی دوسرے خطبوں، کلمات یا خطوط میں۔ حالانکہ ان میں آپؑ نے سابق خلفاء پر کافی اعتراضات کیے ہیں۔ نہ ہی جناب زہراء سلام اللہ علیہا کے اس خطبے میں کچھ ذکر ملتا ہے جو آپؑ نے حضرت ابوبکر کے سامنے دیا تھا۔ اسی طرح کسی صحابی یا کسی دوسرے نے بھی حضرات ابوبکر یا عمر سے قرآن کو اصلی حالت پر لوٹانے کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کسی نے ان مقامات کی نشاندہی کی ہے جن میں تحریف واقع ہوئی ہو۔ یہ تمام قرائن یقینی طور پر تحریف کی نفی کرتے ہیں۔

رہا یہ دعویٰ کہ قرآن میں تحریف حضرت عثمان کے زمانے میں واقع ہوئی ہے تو یہ بھی بہت بعید اور مشکل ہے کیونکہ اس وقت تک یہ قرآن مملکتِ اسلامیہ کے کونے کونے تک پھیل چکا تھا اور اس کے حافظوں اور قاریوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ ان حالات میں قرآن کے دامن

تقدس میں معمولی سی گستاخی بھی لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکا دیتی اور ان پر علی الاعلان لعن طعن شروع ہو جاتا۔ خصوصاً جن لوگوں نے عثمانی خلافت کے مقابلے میں تحریک چلائی، انہوں نے تحریف قرآن سے بھی کم اہمیت کے مسائل کو اٹھایا لیکن کسی نے بھی حضرت عثمان پر قرآن میں تحریف کرنے کا الزام نہیں لگایا۔

کیا جن آیات اور سورتوں کے قرآن سے حذف ہو جانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ سب مسلمانوں سے مخفی رہیں اور سوائے چند افراد کے کسی کو اس کی خبر نہ ہو سکی؟ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو امیر المومنین علی علیہ السلام پر واجب تھا کہ اس کا اظہار کرتے اور ظاہری طور پر مسندِ خلافت پر تکیہ دینے کے بعد لوگوں کو حقیقی قرآن کی طرف لوٹا دیتے۔ اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ تھی اور نہ آپ پر کوئی تنقید کی جاتی۔ بلکہ آپ اس بات کو خونِ عثمان کے انتقام کا نعرہ لگانے والوں کے خلاف ایک مستحکم دلیل کے طور پر بھی استعمال کر سکتے تھے۔ بنابریں کس طرح ممکن ہے کہ جناب امیرؑ جیسے مضبوط انسان کہ جنہوں نے کئی فتنوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا، ایسے اہم مسئلے کو نظر انداز کر دیں۔ آپ نے تو ان جاگیروں کو بھی واپس لینے پر اصرار کیا تھا کہ جو حضرت عثمان نے کچھ لوگوں کو دے دی تھیں۔ چنانچہ ایک خطبے میں آپ فرماتے ہیں: "خدا کی قسم! اگر اس مال سے عورتیں بیاہی اور کنیزیں خریدی گئی ہوتیں تو بھی میں اسے واپس لوٹا دیتا۔ کیونکہ عدل میں وسعت اور کشادگی ہے اور جس پر عدل تنگ ہو جائے اس پر ظلم زیادہ تنگ ہو جائے گا"۔ (۲۰) حالانکہ تحریف قرآن کی نسبت اس کی اہمیت بہت ہی کم ہے۔ لہذا آپ کی جانب سے اس زمانے میں موجود قرآن کو قبول کر لینا عدمِ تحریف کی قطعی دلیل ہے۔

۱۳۔ اہلبیت علیہم السلام قرآن کریم کے بارے میں بہت اہمیت کے قائل تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے اصحاب کو اس کی تلاوت کرنے اور ختم قرآن کی تلقین کرتے اور قاریِ قرآن کے مقام و منزلت اور اس کی فضیلت کو بیان کرتے۔ یہ سب عدم تحریف کی واضح دلیل ہیں کیونکہ تحریف شدہ کتاب کو اس قدر اہمیت نہیں دی جا سکتی۔

۱۴۔ قرآن کریم کے حجت بالغہ اور دلیل قاطع ہونے پر تمام لوگوں کا اعتقاد بھی اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ تحریف شدہ کتاب کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا اور اگر تحریف واقع ہوئی ہوتی تو اس کتاب کے ذریعے استدلال کرنا صحیح نہ ہوتا کیونکہ دلیل میں تحریف ہونے کا احتمال ہو جاتا اور کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی نے قرآن کے ذریعے استدلال کیا ہو اور دوسروں نے اس پر اعتراض کیا ہو کہ اس میں تو تحریف واقع ہوئی ہے۔

۱۵۔ فقہ جعفری کے مطابق نماز بھی نفی تحریف کی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ پنجگانہ نماز کی پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ حمد کا پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر قرآن کی تمام سورتوں کی پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں یہی کیفیت اور یہی مقدار نہ ہوتی تو شیعہ فقہاء کے لئے نماز میں ایک مکمل سورۃ کو پڑھنے کا حکم دینا اتنا آسان نہ ہوتا اور ان کے ہاں اس کی کوئی دلیل بھی نہ ہوتی۔ اور اگر ان کے عقیدے کے مطابق ایسی سورتوں کا کوئی وجود ہوتا جو اس وقت قرآن میں نہیں ہیں تو وہ خصوصی طور پر ان کی قرائت کو بھی جائز قرار دیتے اور یہ شرط نہ لگاتے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھی جانے والی سورۃ اسی موجودہ قرآن میں سے ہونی چاہیے۔

شیعہ علماء اور نفی تحریف

شیعہ علماء اور محققین اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی تحریف واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہ علماء صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مکمل طور پر بغیر کسی کمی یا زیادتی کے وہی ہے جو رسول اکرمؐ پر نازل ہوا تھا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی بھی مذہب کی طرف اسی عقیدے اور نظریے کو نسبت دی جاسکتی ہے جو اس کے اکابر علماء کے کلام اور ان کی معتبر کتابوں میں موجود ہو۔ چنانچہ ہم اس بارے میں ابتدائی صدیوں سے لے کر اب تک کے شیعہ علماء کے بعض اقوال کو نقل کرتے ہیں تاکہ تحریفِ قرآن کے بارے میں شیعوں کا نظریہ بالکل واضح ہو جائے:

۱۔ شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ (متوفی۔ ۳۸۱ھ) اپنی کتاب الاعتقادات میں فرماتے ہیں: "ہمارا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن وہی ہے جو رسول اکرمؐ پر نازل ہوا۔ اس میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوئی ہے اور اس کی سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ ہمارے عقیدے کے مطابق حقیقی قرآن موجودہ قرآن سے زیادہ ہے، وہ جھوٹا ہے"۔

۲۔ شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان (متوفی۔ ۴۱۳ھ) اوائل المقالات میں رقم طراز ہیں: "اہل تشیع کے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں سے کوئی لفظ، آیت یا سورۃ کم نہیں ہوئی ہے لیکن حضرت علیؑ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے میں موجودہ قرآن کی تاویل اور اس کے معانی کی صحیح تفسیر کو حذف کر دیا گیا ہے لیکن یہ چیزیں قرآن کا حصہ نہیں تھیں۔ خود میری نظر میں بھی یہی قول اس قول سے بہتر ہے جس میں بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حقیقی قرآن ہی کے بعض کلمات کم ہوئے ہیں نہ کہ اس کی تاویل یا تفسیر کے الفاظ"۔ (۲۲)

شیخ مفید "اجوبۃ المسائل الرویۃ" میں فرماتے ہیں: "اگر ہم سے کہا جائے کہ آپ کس طرح

سے کہہ سکتے ہیں کہ یہی موجودہ کتاب، اللہ کا حقیقی کلام ہے اور اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی ہے حالانکہ آپ خود ائمہ علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ان آیات کو "کُنْتُمْ خَیْرَ ائمۃٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"، "وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَاکُمْ ائمۃً وَسَطاً" اور "یسئلونک الانفال" پڑھا کرتے تھے، جبکہ موجودہ قرآن میں یہ آیات اس طرح سے نہیں ہیں۔ تو ہم اسے یہ جواب دیں گے کہ جن روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے، وہ سب خبر واحد ہیں کہ جن کی صحت کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے ہم نے ان کے سلسلے میں توقف کیا ہے اور جیسا کہ ہمیں دستور دیا گیا ہے، ہم نے اس موجودہ قرآن سے روگردانی نہیں کی ہے۔ (۲۳) جبکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان آیات کی قرائت دو طریقوں پر نازل ہوئی ہے۔ ایک وہ جو قرآن میں آئی ہے اور دوسری وہ کہ جس کا تذکرہ حدیث میں ہے اور اہلسنت بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کئی قرائتوں پر نازل ہوا ہے۔ (۲۴)

۳۔ سید مرتضیٰ علی بن حسین الموسوی (متوفی۔ ۴۳۶ھ) اپنی کتاب "المسائل الطرابلسیات" میں کہتے ہیں: "قرآن مجید کی صحت کا یقین ہمیں اسی طرح سے ہے کہ جس طرح بڑے شہروں، عظیم تاریخی واقعات و حوادث، مشہور کتابوں اور شعروں کا علم ہے۔ کیونکہ قرآن کے نقل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور اس کے کئی محرکات ہیں بلکہ قرآن کی حفاظت کے محرکات مذکورہ بالا چیزوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ یہ رسول اکرمؐ کا معجزہ، علوم شرعیہ کا منبع اور احکام الٰہی کا سرچشمہ ہے۔ علمائے اسلام نے اس کی حفاظت میں اس قدر محنت کی ہے کہ جہاں کہیں بھی اس کے اعراب، قرائت، حروف یا کلمات میں اختلاف ہوا ہے تو اس کی بھی معلومات حاصل کرلی ہیں۔ لہٰذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی یا کمی واقع ہوئی ہو جبکہ اس کی حفاظت میں پوری صداقت شامل تھی۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "جس طرح سے ہمیں پورے قرآن کے صحیح طور پر نقل ہونے کا علم ہے اسی طرح سے اس کے اجزاء کے صحیح نقل ہونے کا بھی یقین ہے۔ اس بارے میں قرآن بھی سیبویہ اور مزنی جیسے افراد کی کتابوں کی مانند ہے کہ اہلِ فن نہ صرف مجموعی طور پر ان کا علم

رکھتے ہیں بلکہ اس کی تفصیلات سے بھی آگاہ ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کتاب سیبویہ میں الگ سے کسی باب کا اضافہ کرنا چاہے تو اسے بآسانی پہچانا جا سکتا ہے اور معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اصل کتاب کا حصہ نہیں ہے بلکہ اس میں شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے مزنی کی کتاب ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو اہمیت نقل قرآن کو دی گئی وہ سیبویہ کی کتاب یا شعراء کے مجموعہ کی حفاظت سے زیادہ سچائی پر مشتمل تھی۔

مزید لکھتے ہیں: "امامیہ اور حشویہ میں سے جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے ان کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف اصحاب حدیث (محدثین) کے ایک ایسے گروہ کی طرف منسوب ہے جنہوں نے ضعیف روایات کو صحیح سمجھتے ہوئے ان کو نقل کیا۔ لیکن ان کی وجہ سے جس چیز کی صحت کے بارے میں ہمیں یقین ہو اس سے روگردانی نہیں کر سکتے"۔ (۲۵)

ابن حزم کا کہنا ہے کہ سید مرتضیٰ قرآن میں تبدیلی، کمی یا زیادتی واقع ہونے کا نظریہ رکھنے والے شخص کو مسترد اور اسے کافر قرار دیتے تھے اور یہی رائے آپ کے دو ساتھیوں ابو یعلی کوفی اور ابو القاسم رازی کی بھی تھی۔ (۲۶)

۴۔ شیخ محمد بن حسن طوسی (متوفی۔ ۴۶۰ھ) اپنی تفسیر التبیان کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس کتاب میں ہمارا مقصد قرآن کے معانی اور اسکے مختلف اغراض کا ذکر کرنا ہے۔ رہی اس میں کمی یا زیادتی کی بحث تو یہ اس کے شایان شان نہیں۔ کیونکہ زیادتی کے نہ ہونے کے بارے میں تو مکمل اتفاق ہے اور کمی کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ نہیں ہوئی ہے۔ ہماری رائے کے مطابق بھی یہی نظریہ صحیح ہے۔ سید مرتضیٰ کا بھی یہی نظریہ ہے اور روایات بھی یہی کہتی ہیں۔ البتہ شیعہ اور سنی دونوں نے ایسی کئی روایات نقل کی ہیں جن کی رو سے قرآن کی کئی آیات کم اور جابجا ہوئی ہیں۔ لیکن یہ سب خبر واحد ہیں جو کسی طرح بھی یقین و عمل تک نہیں پہنچ سکتیں۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ان سے اعراض کیا جائے۔ کیونکہ ان کی تاویل کرنا ممکن ہے۔ لیکن اگر یہ روایات صحیح ہوں تو بھی موجودہ قرآن پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس کے صحیح ہونے کا تو ہمیں مکمل علم

ہے اور امت کے کسی فرد نے اس پر اعتراض کیا ہے نہ انکار"۔(۲۷)

۵۔صاحب تفسیر مجمع البیان جناب شیخ ابو علی الفضل بن حسن طبرسی (متوفی۔۵۴۸ھ) بھی اپنی تفسیر کے مقدمے میں فرماتے ہیں: "اسی طرح قرآن کی زیادتی اور کمی کی بحث میں بھی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ زیادتی کے نہ ہونے پر تو اجماع ہے اور کمی کے بارے میں شیعوں کے ایک گروہ اور اہلسنت میں سے حشویہ نے ایسی روایات نقل کی ہیں کہ جن کے مطابق قرآن میں کمی واقع ہوئی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں صحیح عقیدہ یہی ہے کہ کمی بھی واقع نہیں ہوئی ہے۔ سید مرتضیٰ نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور اس بارے میں ایک جامع بحث کی ہے۔(۲۸)

۶۔علامہ حلی (متوفی۔۷۲۶ھ) سے جب سوال کیا گیا کہ کیا ہمارے علماء کے نزدیک قرآن میں کمی زیادتی یا ترتیب میں تبدیلی واقع ہوئی ہے یا ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: "صحیح یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی ترتیب کی تبدیلی اور کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوئی ہے اور ہم ایسے عقیدے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں کیونکہ اس سے رسول اکرمؐ کے جاودانی معجزے کو ٹھیس پہنچتی ہے"۔(۲۹)

۷۔شیخ بہائی، محمد بن حسین الحارثی العاملی (متوفی۔۱۰۳۰ھ) سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "صحیح یہ ہے کہ قرآن کمی یا زیادتی سے محفوظ ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" اور جو بات لوگوں کے درمیان مشہور ہے کہ بعض مقامات پر حضرت علیؑ کا نام آیا تھا مثلاً آیت تبلیغ "یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک (فی علیؑ)" میں تو اس کا جزو قرآن ہونا ہمارے علماء کے نزدیک ثابت نہیں ہے"۔(۳۰)

۸۔شیخ جعفر کاشف الغطاء (متوفی۔۱۲۲۸ھ) اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں: "بیشک قرآن میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے کیونکہ اس کا محافظ تو خود قادر مطلق ہے۔ جیسا کہ خود قرآن میں اس بارے میں صراحت سے اعلان ہو رہا ہے اور اسی پر ہر زمانے کے علماء کا اجماع بھی ہے اور ان کے مقابلے میں شاذ و نادر افراد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن میں کمی واقع ہونے والی روایات کے ظاہر پر

عمل کرنا عقلاً بھی صحیح نہیں ہے' خصوصاً ان روایات پر جو کہتی ہیں کہ قرآن کا تیسرا حصہ یا اس سے بھی زیادہ مقدار کم ہو گئی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ بات تواتر کے ساتھ نقل کی جاتی کہ ان باتوں کو رشتۂ تحریر میں لانے کے محرکات بہت زیادہ تھے اور دشمنانِ اسلام اس کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے بڑے اعتراض کے طور پر استعمال کرتے۔ اور پھر مسلمان تو قرآن کی آیات اور اس کے حروف کی بھی اتنی حفاظت کرتے تھے۔ تو پھر ایسا کیسے ممکن ہے ؟(۳۱)

۹۔ سید محمد طباطبائی (متوفی۔ ۱۲۴۲ھ) مفاتیح الاصول میں فرماتے ہیں :"اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ پورا قرآن اپنے مجموعے اور اجزاء کے اعتبار سے متواتر ہونا چاہیے اور اہلسنت کے محققین کے نزدیک تو ان کی جگہ اور ترتیب کا بھی متواتر ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ عام طور پر قرآن جیسی عظیم کتاب کی تفصیلات اسی طرح ہوا کرتی ہیں کہ ایسا عظیم معجزہ جو دین کے استحکام اور صراط مستقیم کی بنیاد ہو، اسے پوری تفصیل کے ساتھ نقل کرنے کے محرکات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ لہذا جو چیز خبر واحد کے ذریعے نقل ہو اور متواتر نہ ہو تو وہ یقیناً قرآن کا حصہ نہیں ہے"۔ (۳۲)

۱۰۔ شیخ محمد جواد بلاغی (متوفی۔ ۱۳۵۲ھ) اپنی تفسیر آلاء الرحمٰن میں لکھتے ہیں :"اگر آپ ایسی شاذو نادر روایات کو دیکھیں جو قرآن میں کمی کو ثابت کرتی ہوں تو ان کی پرواہ نہ کریں۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ یہ روایات ضعیف اور مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف اور نہایت پست مضامین پر مشتمل ہیں اور قرآن کی عزت کو جس طرح سے ان روایات نے پامال کیا ہے اسکی مثال نہیں ملتی۔

۱۱۔ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء (متوفی۔ ۱۳۷۴ھ) نے اپنی کتاب "اصل الشیعہ و اصولہا" میں لکھا ہے :"موجودہ قرآن وہی ہے جو حضور اکرمؐ پر معجزے اور چیلنج کے طور پر نازل ہوا۔ جو احکام کی تعلیم اور حلال و حرام کی تمیز سکھاتا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ کمی یا زیادتی۔ اور اسی پر شیعوں کا اجماع ہے۔ اگر اہل تشیع میں سے بعض لوگ یا اہلسنت کے کچھ فرقے قرآن میں تبدیلی یا کمی واقع ہونے کے قائل ہیں تو وہ غلطی پر ہیں۔ قرآن کریم کی واضح آیت "بیشک

ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" تحریف کے غلط نظریے کو جھٹلاتی ہے۔ بعض شیعہ یا سنی فرقوں کے علماء نے جو ایسی روایات نقل کی ہیں کہ جن کا ظاہری معنی یہ ہے کہ قرآن میں کمی یا تحریف ہوئی ہے' وہ ضعیف اور شاذ ہیں اور ان کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہے جس کی کوئی علمی یا عملی اہمیت نہیں ہے۔ لہذا یا تو کسی قابل قبول طریقے سے ان کی تاویل کی جائے گی یا انہیں دیوار پر مار دیا جائے گا"۔ (۳۴)

۱۲۔ سید عبدالحسین شرف الدین عاملی (متوفی۔ ۱۳۷۷ھ) اجوبۃ مسائل جار اللہ میں لکھتے ہیں:
"قرآن حکیم اپنی تمام آیات' کلمات' حروف' اور سکنات کے ساتھ ائمہ علیہم السلام سے ایسے تواتر قطعی کے ساتھ منقول ہے کہ جس میں سوائے ذہنی بیمار کے اور کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام اسے اپنے جد امجد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ قرآن کی نصوص کے علاوہ اس کے ظواہر کو بھی قطعی دلیل کی حیثیت حاصل ہے اور اس سلسلے میں اہلبیت کی صحیح روایات متواتر ہیں۔ اسی لئے شیعہ حضرات ایسی روایات کو دیوار پر دے مارتے ہیں جو اپنے ظاہری معنی میں قرآن کی مخالف ہوں اگرچہ ان کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو"۔ پھر فرماتے ہیں: "قرآن کو نبی اکرمؐ کے زمانے میں ہی آیتوں' سورتوں' کلمات اور حروف کی موجودہ ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا تھا اور اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی' تقدم و تاخر یا تبدیلی و تغیر پیدا نہیں ہوا"۔ (۳۵)

۱۳۔ سید ابوالقاسم خوئی (متوفی۔ ۱۴۱۳ھ) اپنی تفسیر "البیان فی تفسیر القرآن" میں لکھتے ہیں:
"مسلمانوں کے درمیان مشہور یہ ہے کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی ہے اور موجودہ کتاب مکمل طور پر وہی قرآن ہے جو نبی اکرمؐ پر نازل کیا گیا ہے۔ تمام جید علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ انہی میں شیخ صدوق بھی شامل ہیں۔ پس عدم تحریف کا نظریہ ہی شیعوں کا عقیدہ ہے"۔ (۳۶)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "تحریف قرآن کا نظریہ ایک خیال خام اور بیہودہ بات ہے۔ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کی عقل کمزور ہو یا اس بارے میں اس نے کما حقہ غور و فکر نہ کیا ہو یا

کسی پسندیدہ شخصیت کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اس نے یہ نظریہ اپنالیا ہو کہ محبت انسان کو اندھا اور بہرہ بنادیتی ہے۔ لیکن صاحبِ عقل 'انصاف پسند' اور مفکر اور مدبر انسان نظریۂ تحریف کے باطل اور بیہودہ ہونے میں شک نہیں کر سکتا"۔(۳۷)

۱۴۔امام خمینیؒ (متوفی۔۱۴۰۹ھ) فرماتے ہیں :"جو شخص جانتا ہو کہ مسلمانوں نے قرآن کو قرائت اور کتابت کے لحاظ سے کس قدر اہمیت کے ساتھ جمع اور محفوظ کیا ہے 'اس پر ان بیہودہ روایات کا بطلان واضح ہو جائے گا۔ علماء کے قول کے مطابق یہ روایات یا تو ضعیف ہیں اور دلیل بنانے کے قابل نہیں یا جعلی ہیں جس کی واضح نشانیاں موجود ہیں یا ایسی اجنبی ہیں کہ ان پر صرف تعجب ہی کیا جا سکتا ہے اور ان میں سے جو صحیح ہیں ان سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی تاویل اور تفسیر میں تحریف ہوئی ہے نہ کہ اس کے الفاظ اور عبارات میں۔

اس کی تفصیل کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے جس میں قرآن کی تاریخ اور اس کے صدیوں میں طے کردہ مراحل کا ذکر کیا جائے۔ مختصر یہ کہ قرآن کریم بالکل وہی ہے جو آج کل ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں کوئی زیادتی ہوئی ہے نہ کمی اور قرائات کا اختلاف بعد میں پیدا ہوا ہے اور اس کا سرچشمہ بھی اپنے اپنے اجتہادات ہیں جس کا کوئی تعلق اس وحی سے نہیں ہے جسے روح الامین حضرت جبرئیلؑ نے قلبِ سید المرسلینؐ پر نازل کیا تھا"۔(۳۸)

تحریف کی روایات

سید شرف الدین موسوی عاملی (متوفی۔ ۱۳۷۷ھ) فرماتے ہیں: "اہل تشیع اور اہلسنت دونوں کی کتابوں میں ایسی احادیث موجود ہیں جن کا ظاہری معنی یہ ہے کہ قرآن میں کمی واقع ہوئی ہے۔ لیکن ہمارے تمام جید علماء کے پاس ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی اسناد ضعیف ہیں اور مقابلے میں ایسی روایات ہیں جن کی اسناد قوی، تعداد زیادہ اور معنی بھی واضح تر ہیں۔ علاوہ ازیں یہ خبر واحد ہیں جو ایسے مقام پر حجت ہوتی ہے جب عمل سے متعلق ہو۔ جبکہ ان کا تعلق کسی عمل کے ساتھ نہیں بلکہ اعتقاد کے ساتھ ہے۔ لہذا ان کی وجہ سے ایک یقینی چیز کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پس ان روایات کو ان کے ظواہر سمیت دیوار پر مار دینا چاہیے"۔ (۳۹)

تین اہم حقائق!

تحریفی روایات کے بارے میں شیعہ موقف کو بیان کرنے اور نمونے کے طور پر کچھ روایات کو ذکر کرنے سے پہلے اس موضوع سے متعلق چند حقائق کا تذکرہ ضروری ہے۔

۱۔ جو شخص تحریف قرآن کے بارے میں شیعوں کے خلاف ان کے بعض علماء کی کتابوں میں موجود چند احادیث کو دلیل بناتا ہے وہ ہٹ دھرم اور غیر منصف انسان ہے۔ کیونکہ کوئی بھی شیعہ مصنف اپنی کتاب میں موجود تمام احادیث کو صحیح قرار نہیں دیتا۔ اسی طرح محدثین اور فقہاء نے بھی کسی کتاب کی تمام حدیثوں کو صحیح اور قابلِ قبول قرار نہیں دیا ہے۔

مرحوم استاد محمد جواد مغنیہ فرماتے ہیں: ''شیعہ مسلک میں حدیث کی ہر کتاب حتیٰ کہ کافی' استبصار' تہذیب اور من لایحضرہ الفقیہ میں بھی صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں۔ اسی طرح وہ کتب فقہ جنہیں شیعہ علماء نے لکھا ہے' ان میں بھی خطا اور صواب دونوں پائے جاتے ہیں۔ شیعہ حضرات قرآن کریم کے علاوہ کسی کتاب کو اول سے لے کر آخر تک صحیح نہیں مانتے۔ پس شیعہ کتابوں میں موجود احادیث کو مذہب تشیع کے خلاف دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ البتہ اُس شیعہ کے خلاف یہ احادیث دلیل بن سکتی ہیں جو ان سب کو صحیح مانتا ہو۔

مذکورہ بات کو ثابت کرنے کے لئے یہی بتا دینا کافی ہے کہ جن کتابوں پر احکامِ شرعیہ کا دارو مدار ہے ان میں سے ایک شیخ محمد بن یعقوب کلینی کی ''الکافی'' بھی ہے جس میں سولہ ہزار دو سو احادیث موجود ہیں جنہیں ہمارے علماء نے صحیح' حسن' موثق' قوی اور ضعیف میں تقسیم کیا ہے۔

۲۔ تحریف کے قول کو کتب حدیث کے مصنفین یا راویوں کی طرف بھی نسبت نہیں دی جاسکتی کیونکہ صرف روایت کرنا یا کسی روایت کو اپنی کتاب میں ذکر کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ راوی یا مصنف کا عقیدہ بھی اس حدیث کے مطابق ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک محدث بعض

اوقات اپنی کتاب میں دو ایسی حدیثیں ذکر کرتا ہے جو بظاہر آپس میں "تضاد" رکھتی ہیں اور کسی بھی طریقے سے ان دونوں پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ بنابریں کسی روایت کو نقل کرنے کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ اس کے معنی کا اعتقاد اور اس کی تصدیق بھی کی جارہی ہو۔ ورنہ بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کے دوسرے مصنفین، ائمۂ حدیث اور مسلمانوں کے تمام فرقوں کے اکثر فقہاء اور علماء کو تحریف کا قائل ماننا پڑے گا کیونکہ ان سب نے اپنی کتابوں اور صحاح میں تحریف کی روایات کو ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ نیز اگر راوی کے عقیدے کا اس کی روایت کے مطابق ہونا ضروری ہے تو ان مؤلفین اور احادیث کو نقل کرنے والے متضاد اور متناقض احادیث کے مطابق اور اپنے مذاہب اور اصولوں کے برخلاف اعتقادات رکھتے ہوں گے۔ جبکہ کوئی بھی منصف مزاج انسان اس بات کو نہیں مان سکتا۔

۳۔ کسی بھی فرقے کے چند لوگوں کے تحریفِ قرآن کا قائل ہونے اور کسی ذاتی عقیدے کی بناء پر اس نظریہ اور عقیدہ کو پورے مذہب کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً جب اس عقیدے پر اسی مذہب کے بزرگ علماء اور محققوں کی جانب سے تنقید اور جرح کی گئی ہو۔ چنانچہ کتنی ہی ایسی کتابیں ہیں جو درحقیقت صرف اپنے مصنف یا مولف کی ذاتی رائے کا اظہار کرتی ہیں اور ان میں حق و باطل، صحیح و غلط اور خالص اور غیر خالص سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ بات شیعوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اہلسنت کے ایک گروہ "حشویہ" کا تحریف قرآن کی طرف مائل ہو جانا ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ تمام اہل سنت کی طرف اس قول کی نسبت دے دی جائے۔ اسی طرح شیخ نوری (متوفی ۱۳۲۰ھ) کے قرآن میں کمی واقع ہونے کے نظریے کو (اگر اسے فرض کر لیا جائے تو بھی) تمام شیعوں کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن تیمیہ کے مخصوص عقائد و نظریات کو سب اہل سنت کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب اہل سنت کے اکثر محققوں نے ان کا انکار بھی کیا ہے۔ لہٰذا ایسی نسبت کو صحیح قرار دینا بیہودہ اعتقاد، جنون کی انتہا، سخت تعصب اور خواہشات نفسانی کی پیروی کا شاخسانہ ہے۔

روایاتِ تحریف کے بارے میں شیعہ علماء کا موقف

اکابر شیعہ علماء اور محققین نے اپنی احادیث کی کتابوں میں موجود ان روایات کو چنداں اہمیت نہیں دی ہے جو بظاہر قرآن میں کمی کو ثابت کرتی ہیں۔ چنانچہ سابقہ اور موجودہ دور کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآنِ کریم میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ جیسا کہ اس کے بعض نمونے آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

اس بارے میں شیعہ روایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

پہلی قسم : اس میں وہ روایات شامل ہیں جن کی سند معتبر نہیں ہے۔ یعنی وہ ضعیف، مرسل یا مقطوع (یہ دونوں بھی غیر معتبر روایات کی دو قسمیں ہیں) ہیں۔ اکثر روایات کا تعلق اسی قسم سے ہے اور ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

دوسری قسم : یہ وہ روایات ہیں جن کے راوی موثق ہیں اور ان کی اسناد میں کوئی نقص نہیں ہے۔ ایسی روایات بہت ہی کم تعداد میں ہیں۔ ان کے بارے میں علماء وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں درحقیقت آیت کی تاویل یا تفسیر یا سبب نزول یا قرائت کا طریقہ بیان کیا گیا ہے یا اگر تحریف ہے تو معانی میں ہے نہ کہ قرآن کے الفاظ میں یا پھر وحی تو ہے لیکن اس کا تعلق قرآن سے نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اسی قسم کی اور تاویلیں بھی کی گئی ہیں۔ ضعیف روایات کے بارے میں بھی یہی تاویلیں کی جاسکتی ہیں لیکن ان کے معتبر نہ ہونے کے لیے اسناد کا ضعیف ہونا ہی کافی ہے۔

رہی وہ روایات کہ جن کی صحیح توجیہ کرنا بھی ممکن نہ ہو اور وہ بظاہر یا صریحاً تحریف کو ثابت کرتی ہوں تو ہمارے علماء انہیں جعلی قرار دیتے ہوئے دیوار پر مار دیتے ہیں۔ کیونکہ

۱۔ یہ روایات ہمارے اس پختہ یقین کے برخلاف ہیں جس کے مطابق قرآن کریم عہدِ نبوی میں جمع کیا جاچکا تھا۔

۲۔ یہ روایات قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ "بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" کے ظاہری معنی سے متصادم ہیں۔

۳۔ یہ روایات شاذ و نادر ہیں جبکہ عدم تحریف پر دلالت کرنے والی روایات مشہور یا متواتر ہیں اور ان کی سند قوی، تعداد زیادہ اور دلالت بھی واضح تر ہے۔

۴۔ تحریف کی روایات خبر واحد ہیں جن سے قرآن ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ صرف تواتر کے ساتھ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ عدم تحریف کی دلیلوں میں بیان ہو چکا ہے۔ بلکہ بعض شیعہ علماء کے نزدیک تو کوئی بھی خبر واحد حجت نہیں ہے اور جو اس کو حجت مانتے ہیں وہ بھی اس وقت جب اس کا تعلق کسی فروع دین سے ہو جبکہ ان کا تعلق اعتقادات سے ہے۔

شیعہ کتابوں میں تحریف کی روایتوں کے نمونے

اب ہم شیعہ کتابوں میں موجود ان روایتوں میں سے بعض کو ذکر کریں گے جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ بظاہر قرآن میں کمی واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی بتائیں گے کہ ان کی تاویل کس طرح سے کی گئی ہے اور یہ حدیثیں تحریف کو ثابت نہیں کر سکتیں۔ نیز یہ بھی بتائیں گے کہ ان کو کس طرح سے مسترد کیا گیا ہے۔ (آگے ذکر کی جانے والی احادیث کے علاوہ بقیہ بھی اسی طرح سے ہیں۔)

ان روایات کی چند قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ایسی روایات جن میں تحریف کا لفظ آیا ہے ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اصول کافی میں متعدد اسناد کے ساتھ علی بن سوید سے روایت کی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے: "جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام قید میں تھے تو میں نے ان کو خط لکھا" پھر آپؑ کے جواب میں موجود اس جملے کو ذکر کرتا ہے: "ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر امین بنایا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی تحریف کر ڈالی اور اسے تبدیل کر دیا"۔ (۴۰)

۲۔ ابن شہر آشوب اپنی کتاب "المناقب" میں امام حسین علیہ السلام کے عاشور کے دن دیے ہوئے خطبہ کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے: "تم لوگ قوم کے طاغوت' گروہوں میں تفرقہ ڈالنے والے' کتاب کو ترک کرنے والے' شیطان سے رہنمائی لینے والے' جرائم پیشہ اور کتاب کی تحریف کرنے والے ہو"۔ (۴۱)

واضح ہے کہ ان روایات میں تحریف سے مراد آیات کو بغیر دلیل کے ان کے حقیقی معنی سے ہٹا کر دوسرے معنی میں بیان کرنا اور غلط تاویلات اور باطل ذریعوں سے ان کے حقیقی مقاصد کو چھپا کر اس کے معنی کو بدل دینا ہے۔ اور امام محمد باقرؑ کی سعد الخیر کے ساتھ خط و کتابت اس بات کی صریح

دلیل ہے کہ یہاں پر تحریف سے مراد غلط تاویلات کرنا اور قرآن کے حقیقی معانی کو کھلونا بنانا ہے۔
امامؑ فرماتے ہیں: "کتاب کے ساتھ ان کی عہد شکنی یہ ہے کہ انہوں نے اس کے حروف کو تو قائم رکھا لیکن احکام کو بدل ڈالا۔ یہ لوگ قرآن کو روایت تو کرتے ہیں لیکن خیال نہیں رکھتے"۔(۴۲)
یعنی ان لوگوں نے اس کے الفاظ اور عبارات کی تو پابندی کی لیکن اس کے معانی کی غلط تاویلیں گھڑ لیں۔

دوسری قسم: یہ وہ روایات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات میں ائمہ علیہم السلام کے نام تھے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ اصول کافی میں امام باقرؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "جبرئیلؑ نے حضرت محمدؐ پر یہ آیت اس طرح نازل کی "وَ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا (فِیْ عَلِیٍّ) فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِنْ مِثْلِہٖ"(بقرہ۔ ۲۳)(۴۳)

۲۔ اصول کافی ہی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ امام صادقؑ سے روایت ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۷۱ اس طرح سے نازل ہوئی تھی "مَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ (فِیْ وِلَایَۃِ عَلِیٍّ وَ الْاَئِمَّۃِ مِنْ بَعْدِہٖ) فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِیْماً"۔(۴۴)

۳۔ کافی میں مخل سے اور اس نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جبرئیل یہ آیت حضرت محمدؐ پر اس طرح لائے تھے "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْنَا(فِیْ عَلِیٍّ) نُوْراً مُبِیْناً۔(نساء۔ ۴۷)

ان روایات کے غیر معتبر ہونے کے لئے مرآۃ العقول میں علامہ مجلسیؒ کا یہ صریح بیان کافی ہے کہ یہ روایات ضعیف ہیں لہٰذا ایک ایک کی سند کو دیکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ نیز محدث کاشانیؒ نے بھی ان کے صحیح نہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔(۴۵)
شیخ بہائیؒ فرماتے ہیں: "لوگوں کے درمیان مشہور ہے کہ قرآن کے بعض مقامات سے حضرت علیؑ کا نام ہٹا دیا گیا ہے لیکن یہ ہمارے علماء کے نزدیک معتبر نہیں ہے"۔(۴۶)

اور اگر مان لیا جائے کہ یہ روایات صحیح ہیں تو بھی ممکن ہے کہ ان جملوں "اس طرح نازل ہوئی" یا "جبرئیل حضور اکرمؐ پر یہ آیت اس طرح سے لے کر آئے" سے مراد یہ ہو کہ ان کا معنی یہ ہے، نہ کہ پہلے یہ الفاظ قرآن کریم کا حصہ تھے اور بعد میں انہیں مٹا دیا گیا ہے۔

مرحوم آیت اللہ العظمیٰ خوئی فرماتے ہیں: "اس کا کچھ حصہ تفسیر تھی نہ کہ خود قرآن۔ اور ضروری ہے کہ ان روایات سے مراد یہ لی جائے کہ ائمہ کے اسمائے گرامی تفسیر میں تھے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان روایات کو ترک کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ قرآن و سنت اور عدم تحریف کی گزشتہ دلیلوں کے ساتھ متصادم ہیں"۔ (۴۷)

بالفرض اگر ان کو تفسیر پر حمل نہ کیا جائے تو یہ روایات ابوبصیر کی اس روایت کے برخلاف ہیں جو اصول کافی میں موجود ہے۔ ابوبصیر کہتا ہے: "میں نے امام جعفر صادقؑ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" تو آپؑ نے فرمایا: "یہ علی ابن ابی طالب اور حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے"۔ میں نے عرض کیا: "لوگ کہتے ہیں کہ علیؑ اور اہلبیت کے اسمائے گرامی کو قرآن میں ذکر کیوں نہیں کیا گیا"۔ تو فرمایا: "تم ان لوگوں سے کہو کہ حضور اکرمؐ پر درود نازل ہوا لیکن معین نہیں کیا گیا کہ تین یا چار مرتبہ۔ یہاں تک کہ خود آنحضرتؐ نے اس کی تفسیر بتلائی"۔ (۴۸)

پس یہ روایت ان تمام روایات پر حاکم ہے اور وضاحت کر رہی ہے کہ ان سے مراد کیا ہے۔

مزید برآں جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی انہوں نے قرآن میں علیؑ کے نام کی موجودگی کو دلیل نہیں بنایا جبکہ اگر قرآن میں حضرت علیؑ کا اسم مبارک ہوتا تو یہ بہترین دلیل تھی۔ یہ چیز واضح ثبوت ہے کہ علیؑ کا اسم گرامی قرآن میں نہیں تھا۔

اسی قسم سے متعلق چند اور روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ اصول کافی میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے: "میں نے حضرت علیؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا: "قرآن تین حصوں پر نازل ہوا۔ ایک حصہ ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے بارے میں تھا۔ دوسرا

حصہ سنن اور امثال پر مشتمل تھا اور تیسرے حصے میں فرائض اور احکام تھے"۔(۴۹)

۲۔ تفسیر عیاشی میں امام صادقؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "اگر قرآن کو اسی طرح پڑھا جاتا کہ جس طرح سے وہ نازل ہوا تھا تو تمہیں قرآن میں ہمارے نام نظر آتے"۔(۵۰)

علامہ مجلسیؒ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ پہلی حدیث مجہول ہے اور دوسری حدیث کو عیاشی نے داؤد بن فرقد سے مرسل طور پر نقل کیا ہے۔ لہذا اسکی سند کا ضعیف ہونا واضح ہے اور اگر صحیح ہو تو بھی اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اسمائے گرامی قرآن کے الفاظ نہیں بلکہ تفسیر کے طور پر تھے۔ یعنی بعض آیات کی تاویل اور تفسیر جو خود خدا نے نازل کی تھی اگر انہیں منایا نہ جاتا اور شان نزول وغیرہ کو محو نہ کیا جاتا تو تمہیں اس میں ہمارے نام نظر آتے یا مراد یہ ہے کہ اگر ان آیات کا معنی اسی طرح سے کیا جاتا جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا ان میں باطل خیالوں کو جگہ نہ دی جاتی اور گمراہوں کی شیطانیوں سے پاک کر کے تفسیر کی جاتی تو تمہیں اس میں ہمارے نام بھی مل جاتے۔

تیسری قسم: یعنی وہ روایات کہ جن سے بظاہر قرآن میں کمی یا زیادتی دونوں قسم کی تحریف ثابت ہوتی ہے۔

ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عیاشی نے اپنی تفسیر میں میسر سے اور انہوں نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے: "اگر اللہ کی کتاب میں زیادتی اور کمی نہ ہوتی تو کسی عاقل پر ہمارا حق پوشیدہ نہ رہتا اور جب ہمارا قائمؑ قیام کرتا اور بات کرتا تو قرآن اس کی تصدیق کرتا"۔(۵۱)

۲۔ یعقوب کلینیؒ نے اصول کافی میں اور صفار نے بصائر میں جابر سے اور انہوں نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ میں نے آپؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جس کسی نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ اس نے پورے قرآن کو اسی طرح سے جمع کیا ہے کہ جس طرح سے وہ نازل ہوا تھا تو وہ جھوٹا ہے۔ قرآن کو اس طرح سے جمع کرنا صرف علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے ائمہ علیہم السلام

کی خصوصیت ہے"۔(۵۲)

۳۔ یعقوب کلینی نے کافی میں اور صفار نے بصائر میں جابر سے اور اس نے امام باقرؑ سے روایات کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "اوصیاء کے علاوہ کوئی اور یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس پورا قرآن ظاہر و باطن سمیت موجود ہے۔" (۵۳)

یہ قسم بھی تحریف قرآن کو ثابت کرنے سے قاصر ہے کیونکہ پہلی حدیث عیاشی کی مُرسلہ احادیث میں سے ہے جو کہ کتاب و سنت اور مسلمانوں کے اس اجماع کے بر خلاف ہے کہ جس کا دعویٰ سید مرتضیٰ، شیخ طوسی اور طبرسی وغیرہ جیسے جید علماء کے ایک بڑے گروہ نے کیا ہے۔ اور جس خامی کی جانب پہلی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد قرآن کی آیات، کلمات یا سورتوں کا نقص نہیں ہے بلکہ اس کی تاویل کی عدم معرفت اور اس کے باطن سے واقف نہ ہونے کا نقص ہے۔

رہا یہ جملہ کہ "ہمارا قائم قیام کرتا اور بات کرتا تو قرآن اس کی تصدیق کرتا" تو یہ تصدیق یہی موجودہ قرآن کرے گا اور اگر حقیقتاً اس میں تحریف ہو گئی ہوتی تو یہ تصدیق نہ کر سکتا۔ لہٰذا اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ امام زمانؑ قرآن کے حقیقی معنی کو اس طرح سے ظاہر کریں گے کہ اس میں کسی طرح کا کوئی ابہام یا شبہ باقی نہیں رہے گا۔ پس ہر عاقل اس بات کا ادراک کرلے گا کہ قرآن آپؑ کی تصدیق کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر پہلی حدیث صحیح ہو تو بھی اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کے معانی کو تبدیل کر دیا ہے، انہیں کم کر دیا اور اس میں ایسے معانی داخل کر دیے ہیں کہ جو اس کے نہیں تھے۔ یہاں تک کہ عاقل کے لیے بھی یہ مسئلہ الجھ کر رہ گیا ہے۔

دوسری روایت کی سند میں عمرو ابن ابی المقدام ہے جسے غضائری نے ضعیف قرار دیا ہے"۔ (۵۴) اور تیسری روایت میں مخلد بن جمیل اسدی ہے کہ جس کے بارے میں علمائے رجال کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص ضعیف، فاسد الروایۃ ہے اور اس پر غلو کا الزام بھی ہے۔ غالیوں نے اس کی طرف اور بھی کئی احادیث منسوب کی ہیں (۵۵)۔ بالفرض اگر یہ دونوں حدیثیں صحیح ہوں تو بھی

ان کی ایسی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ خود ان احادیث کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ سید طباطبائی فرماتے ہیں: "امام کے اس جملے "اس کے پاس پورا قرآن ہے" کا ظاہری معنی اگرچہ یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں تحریف ہوئی ہے لیکن اس میں جو ظاہر اور باطن کی قید ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد پورے قرآن کا علم ہے۔ یعنی وہ معانی جو عام آدمی کے لیے ظاہر ہیں اور وہ جو عام آدمی کے لیے پوشیدہ اور باطن ہیں۔(۵۶)

سید علی بن معصوم مدنی نے ان دونوں حدیثوں کو ان احادیث میں درج کیا ہے جن کے ذریعے انہوں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حضرت امیر المومنین علی اور ان کے اوصیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی تائید 'الہام اور تعلیم نبوی کی وجہ سے پورے قرآن کا علم حاصل تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں فریقین کی احادیث متواتر ہیں۔(۵۷)

اس کے علاوہ ممکن ہے کہ ان دو روایتوں سے مراد وہ اضافات ہوں جو حضرت علی کے نسخے میں موجود تھے لیکن ان کا تعلق قرآن کے الفاظ سے نہیں بلکہ پیغمبر اکرمؐ کی تفسیر یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی تشریح سے تھا۔

چوتھی قسم: یہ وہ روایات ہیں جو قرآن کریم میں سے بعض مردوں اور عورتوں کے ناموں کو نکال دیے جانے کی خبر دیتی ہیں۔

۱۔ تفسیر عیاشی میں مرسل طور پر امام صادقؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "بے شک قرآن میں وہ سب کچھ ہے جو گزر گیا جو ہوگا اور جو ہو رہا ہے۔ اس میں مردوں کے نام تھے جو نکال دیے گئے اور ہر نام کئی شخصوں کا تھا جسے صرف اوصیاء جانتے ہیں"۔(۵۸)

۲۔ اصول کافی میں برنطی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے امام علی رضاؑ نے ایک قرآن دیا اور فرمایا کہ اس کو دیکھنا نہیں۔ لیکن میں نے اسے کھول کر دیکھا اور "لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا ..." (بینہ۔۱) کی تلاوت کی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں ستر افراد کے اپنے اور ان کے آباء و اجداد کے نام تھے۔ پھر آپؑ نے مجھے پیغام بھجوایا: "وہ قرآن مجھے بھیج دو"۔(۵۹)

۳۔ شیخ صدوق نے ثواب الاعمال میں عبداللہ بن سنان سے اور اس نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "سورۂ احزاب میں قریش اور دوسرے قبیلوں کے مردوں اور عورتوں کی رسوائیوں کا ذکر تھا۔ اے ابن سنان! ایک پوری سورۃ تھی جس نے قریش کی عورتوں کو رسوا کیا۔ یہ سورۂ بقرۃ سے بڑی تھی لیکن انہوں نے اسے کم کر دیا اور تحریف کر دی"۔(۶۰)

ان روایات میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف، مرسل یا مرفوع ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نام قرآن کے الفاظ کی تفسیر اور اس کی غرض کو بیان کرنے کے لیے ہوں اور خود قرآن میں نازل نہ ہوئے ہوں۔ فیض کاشانیؒ نے وافی میں اور آیت اللہ خوئیؒ نے البیان میں اور دوسروں نے بھی اس بات کو بیان کیا ہے۔ بلکہ شیخ صدوق جو کہ رئیس المحدثین ہیں اور انہوں نے اس روایت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے وہ خود اپنی کتاب الاعتقادات میں مکمل صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ قرآن میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس جملے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ محدثین بعض اوقات ایسی احادیث کا ذکر بھی کر دیتے ہیں جس کی سند یا معنی ان کی نظر میں صحیح نہیں ہوتا۔

پانچویں قسم: یہ وہ روایات ہیں جو ائمہ علیہم السلام سے منسوب قرائتوں کو بیان کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک درج ذیل ہے۔

۱۔ جناب یعقوب کلینی اپنی اسناد کے ساتھ عمران بن میثم سے اور وہ امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا "ایک شخص نے حضرت امیر المومنینؑ کے سامنے یہ آیت پڑھی "فانھم لایکذبونک و لکن الظلمین بایت اللہ یجحدون" (انعام۔ ۳۳) تو آپؑ نے فرمایا: "ہاں! خدا کی قسم! ان لوگوں نے انہیں بہت شدت کے ساتھ جھٹلایا لیکن اس پڑھنے کی جگہ (اور لایکذبونک ہے) یعنی وہ ایسا باطل نہیں لا سکتے جس کے ذریعے آپؑ کے حق کو جھٹلائیں۔(۶۱)

شبہات اور ان کے جواب

اب ہم بعض ایسے شبہات اور ان کے جواب کا تذکرہ کر رہے ہیں، جن کے ذریعے بعض لوگوں نے تحریف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اول: امیر المومنینؑ کے پاس موجودہ قرآن کے علاوہ ایک اور قرآن تھا جسے آپؑ لوگوں کے پاس لائے تھے لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اور اس میں بعض ایسی چیزیں تھیں جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔ لہذا موجودہ قرآن امیر المومنینؑ کے قرآن کی نسبت کم ہے۔

جواب: شیعہ اور اہل سنت دونوں کی بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ لوگوں سے الگ ہو کر قرآن کو جمع کرنے لگے۔ بعض روایات کے مطابق آپؑ کا یہ کام حضورؐ کے حکم سے تھا اور یہ کہ آپؑ نے فرمایا تھا کہ میں اس وقت تک عبا کاندھوں پر نہیں ڈالوں گا جب تک قرآن کو جمع نہ کرلوں اور روایات میں ہے کہ آپؑ نے جب تک قرآن کو جمع نہ کر لیا اس وقت تک نماز کے علاوہ عبا نہیں رکھی۔ (۶۱)

ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ ان احادیث سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ علیؑ کا نسخہ موجودہ قرآن کی نسبت کچھ امتیازات رکھتا تھا۔ اس کی ترتیب نزولی تھی، منسوخ کا ذکر ناسخ سے پہلے تھا، اس میں بعض آیات کی تاویل اور تفصیل کے ساتھ حقیقی تفسیر بھی لکھی گئی تھی۔ یعنی آپؑ نے اس میں وہ چیزیں لکھ دی تھیں جو اللہ تعالی کی جانب سے تفسیر کے طور پر نازل ہوئی تھیں۔ اس نسخے میں محکم و متشابہ کا ذکر تھا، اہل حق و باطل کے نام تھے جو کہ حضورؐ نے بتائے اور علیؑ نے لکھے تھے۔ اس میں بعض مہاجرین و انصار کی رسوائیوں کا ذکر بھی تھا لیکن یہ سب اختلافات بھی خود قرآن اور اس کی حقیقت میں کسی تبدیلی کو ثابت نہیں کر سکتے۔

موجودہ قرآن اور حضرت علیؑ کے نسخے میں موجود اختلافات میں سے سب سے زیادہ اہم فرق

وہ اضافات ہیں جو جناب امیرؑ کے نسخے میں تھے لیکن موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اضافات وہ احادیثِ قدسیہ ہوں جو وحی تو ہیں لیکن قرآن کا حصہ نہیں ہیں، جیساکہ شیخ صدوقؒ نے اعتقادات میں اس کو صراحت سے بیان کیا ہے (۶۳) یا پھر قرآن کی تاویل و تفسیر ہو جو کہ قرآن کا حصہ نہیں ہے۔

شیخ مفیدؒ اوائل المقالات میں فرماتے ہیں: "لیکن امیر المومنینؑ کے قرآن میں جو تاویل اور اس کے معانی کی حقیقی تفسیر تھی، اسے نکال دیا گیا تھا۔ یہ چیزیں قرآن میں مکتوب اور نازل شدہ تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا حصہ نہیں تھیں جو قرآن اور معجزہ ہے۔ جیساکہ بعض اوقات قرآن کی تاویل کو بھی قرآن کہا جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: وَ لاتَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ اَنْ یُقْضیٰ اِلَیْکَ وَحْیُہُ وَ قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (طٰہٰ۔ ۱۱۴)۔ یہاں تاویل کو قرآن کہا گیا ہے۔ اس بات میں اہلِ تفسیر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (۶۴)

آیت اللہ خوئی فرماتے ہیں: امیر المومنینؑ کے نسخے کا ایسے اضافات پر مشتمل ہونا جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں، صحیح ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ چیزیں قرآن کا حصہ تھیں اور پھر تحریف کر کے ان کو نکال دیا گیا ہو۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ تاویل کے عنوان سے قرآن کی تفسیر تھی اور کلام جس معنی کی طرف اظہار نشاندہی کرتا تھا، اس کا اظہار تھا یا اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تشریح کے طور پر نازل کیا گیا تھا۔ (۶۵)

مختصر یہ کہ حضرت علیؑ کے نسخے میں ایسی زیادتی کا دعویٰ جو خود قرآن ہی کا حصہ ہو ایک بے بنیاد اور قطعی طور پر باطل دعویٰ ہے جس کے لیے تحریف کی نفی کرنے والی دلیلیں کافی ہیں۔

دوم: بعض احادیث میں ہے کہ حضرت مہدیؑ کے زمانے کا قرآن موجودہ قرآن سے مختلف ہوگا، جن کی وجہ سے موجودہ قرآن کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے چند روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ فتال اور شیخ صدوقؒ امام محمد تقی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: "جب قائمؑ

آلِ محمد آئے گا تو ایسے افراد کے لیے خیمہ نصب کیا جائے گا جو لوگوں کو قرآن کی اس طرح سے تعلیم دیں گے کہ جس طرح سے نازل ہوا تھا۔ پس سب سے زیادہ مشکل اس شخص کو پیش آئے گی جس نے آج قرآن حفظ کر رکھا ہے کیونکہ اس کی ترتیب مختلف ہو گی۔(۶۶)

اسی طرح کی ایک اور روایت نعمانی نے اپنی کتاب "الغیبۃ" میں نقل کی ہے۔(۶۷)

۲۔ کلینی کافی میں سالم بن مسلمہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جب ہمارا قائمؑ آئے گا تو کتاب خدا کو اس کی حقیقی صورت کے مطابق پڑھے گا اور اس قرآن کو لائے گا جو علیؑ نے لکھا تھا"۔(۶۸)

یہ اور ان جیسی دوسری روایات سب ضعیف ہیں اور اگر ہم ان کی سند سے چشم پوشی کر لیں تو پھر اس بات کا راز کہ امام زمانہؑ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں گے، شاید یہ ہو کہ آپ کا قرآن موجودہ قرآن سے ترتیب کے لحاظ سے مختلف ہو گا۔ جیسا کہ پہلی روایت میں بیان ہوا ہے یا پھر حضرت علیؑ کے قرآن میں موجود امتیازات اور خصوصیات کے اعتبار سے مختلف ہو گا جیسا کہ اس پر دوسری روایت دلالت کرتی ہے۔ لہذا جس طرح سے قرآن نازل ہوا ہے اسی طرح سے اس کی تاویل اور تفسیر کی ضرورت ہو گی۔ بنابریں اس شبہہ کا دارومدار بھی پہلے شبہہ ہی پر ہو گا اور اس کے جواب سے یہ شبہہ بھی برطرف ہو جائے گا۔ کیونکہ آپؑ کے زمانے کا قرآن الفاظ کے اعتبار سے موجودہ قرآن سے مختلف نہیں ہو گا بلکہ ان دو میں فرق ترتیب یا تفسیری اضافوں کی بدولت ہو گا۔ جیسا کہ پہلے شبہہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

سوم: ہمیں علم ہے کہ توریت اور انجیل میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ ادھر حضور اکرمؐ سے ایسی روایات منقول ہیں کہ جن میں فرماتے ہیں: "جو کچھ بنی اسرائیل میں ہوا وہ سب کچھ اسی طرح سے اس امت میں بھی ہو گا۔(۶۹) لہذا قرآن میں بھی تحریف واقع ہونا ضروری ہے۔ بنابریں موجودہ قرآن کے بارے میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا لازمی امر ہے، بصورت دیگر ان احادیث سے کیا مراد ہو سکتی ہے؟

آیت اللہ خوئی نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں :

۱۔ مذکورہ روایات خبر واحد ہیں جن کا کوئی فائدہ اور اہمیت نہیں ہے۔

۲۔ اگر یہ دلیل صحیح ہو تو قرآن میں زیادتی بھی ہونی چاہیے جیسا کہ توریت اور انجیل میں ہوئی ہے۔ جبکہ اس کا بے بنیاد اور باطل ہونا بالکل واضح ہے۔

۳۔ کئی ایسے واقعات ہیں جو گذشتہ اقوام میں رونما ہوئے لیکن اس امت میں وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ مثلاً بچھڑے کی عبادت کرنا، بنی اسرائیل کا چالیس سال تک گمراہ رہنا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، حضرت سلیمان کا جن وانس پر بادشاہت کرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھا لیا جانا، جناب ہارون کا جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی تھے، ان سے پہلے فوت ہونا اور اس کے علاوہ دوسرے بے شمار واقعات۔

پس یہ بہت مضبوط دلیل ہے کہ ان روایات کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے بلکہ ان روایات سے مراد صرف بعض صورتوں میں شباہت ہے۔(۷۰)

سید محمد حسین طباطبائیؒ نے تفسیر المیزان میں صرف اسی جواب کو ذکر کیا ہے۔(۷۱)

اہلسنت اور نفی تحریف

اہلسنت کے ہاں مشہور یہ ہے کہ قرآن کریم ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ علمائے اہلسنت اپنی تفسیروں اور علوم قرآن کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں مکمل صراحت کے ساتھ اس کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ان کی صحاح (حدیث کی معتبر کتابوں) میں ایسی کئی احادیث ہیں جو بظاہر قرآن میں تحریف کو ثابت کرتی ہیں جن کی بنیاد پر اہلسنت کے ایک گروہ "حشویہ" نے قرآن میں تبدیلی یا کمی کی صورت میں تحریف کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان کے مقدمے میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے (۷۲) اور ان کا قول شیعہ علماء کے اقوال کے بیان میں گزر چکا ہے۔ ان احادیث میں سے جو ضعیف ہیں ان پر توجہ کرنا ہی فضول ہے اور جن کی سند اہلسنت کے نزدیک صحیح ہے وہ سب بھی خبر واحد کے زمرے میں آتی ہیں کہ جن کے ذریعے سے قرآن کو ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ان میں سے بعض کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان سے مراد تفسیر، دعا، سنت، حدیث قدسی یا قرائت میں اختلاف ہے۔ رہی وہ روایات کہ جن کی تاویل اور توجیہ بھی ممکن نہ ہو تو انہیں اہلسنت کے بعض علماء نے نسخ قرآن پر حمل کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت لفظی طور پر منسوخ ہو چکی ہے لیکن اس کا حکم باقی ہے۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ خود تحریف کے قول کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ البتہ اہلسنت کے اکثر علماء اور محققوں نے اس کی نفی کی ہے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث سرے سے جھوٹی اور باطل ہیں کیونکہ ان کا لازمہ باطل ہے اور ان احادیث کو قبول کرنے سے قرآن کے تواتر کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

عبدالرحمن جزیری کا قول ہے: "جو روایات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ اس متواتر قرآن کا کچھ حصہ قرآن میں سے نہیں ہے یا حقیقی قرآن کا کچھ حصہ منا دیا گیا ہے تو ہر مسلمان پر ان کو جھٹلانا

اوران کے راویوں کے لئے برے انجام کی بد دعا کرنا واجب ہے"۔(۷۳)

ابن خطیب کہتے ہیں :"یہ اور اس جیسی دوسری احادیث کی اسناد صحیح ہوں یا نہ ہوں' یہ واضح طور پر باطل ہیں اور اس قدر کم ہیں کہ اس وقت تک ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے جب تک ان کے خلاف امت کا اجماع اور بڑی تعداد میں ایسی صحیح روایات موجود ہیں جو ان کو مکمل طور پر بے اثر کر دیتی ہیں اور دین اور شارع کے اغراض و مقاصد کا بھر پور طریقے سے اظہار کرتی ہیں"۔ (۷۴) اہلسنت کے بعض علماء ان روایات کو دشمنانِ اسلام کی جانب سے گھڑا ہوا سمجھتے ہیں۔ حکیم ترمذی کہتے ہیں :"میں ان روایتوں کو صرف زندیقوں کا مکر سمجھتا ہوں۔"

ڈاکٹر مصطفیٰ زید کہتے ہیں :"رہی وہ احادیث کہ جنہیں یہ لوگ دلیل بناتے ہیں' ان میں سے اکثر حضرت عمر اور حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہیں اور ہم ایسی احادیث کے صدور کو بعید سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض روایات کے الفاظ تو ایسے ہیں کہ جو ان دو حضرات کے مقام سے بالکل مناسبت نہیں رکھتے۔ لہذا ہمیں یقین ہے کہ یہ احادیث مسلمانوں کے خلاف گھڑی گئی ہیں"۔ (۷۵)

بنابر ایں اہلسنت بھی تحریفِ قرآن کی نفی میں اہلِ تشیع کے ساتھ متفق ہیں۔ گویا عدم تحریف پر تمام مسلمانوں کا اتفاق پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد تیجانی لکھتے ہیں :"اہلسنت اور اہل تشیع دونوں کے محقق علماء نے ان جیسی روایتوں کو باطل اور شاذ قرار دیا ہے اور قابل قبول دلیلوں کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ موجودہ قرآن بغیر کسی کمی یا زیادتی یا تبدیلی کے بالکل وہی قرآن ہے جو حضور اکرمؐ پر نازل ہوا تھا۔(۷۶)

دو اہم حقیقتیں

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو روایات قرآن میں کمی یا غلطی کو ثابت کرتی ہیں، وہ صحاح ستہ میں موجود ہیں اور ان کے راوی بعض صحابہ ہیں اس لیے ان کو جھٹلانا اور انکار کرنا ان کتابوں کی تردید کرتا یا عدالتِ صحابہ کے نظریے کو ٹھیس پہنچاتا ہے تو ہم اس کا جواب یوں دیں گے :

اولاً : صحاح ستہ میں سے دو اہم کتابوں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بھی تمام حدیثوں کو مسلمان صحیح نہیں سمجھتے۔ چنانچہ کئی حافظینِ حدیث اور علمائے رجال نے ان کتابوں میں موجود ضعیف، باطل اور جعلی احادیث کے بارے میں بحث کی ہے۔ دار قطنی نے اپنی کتاب "علل الحدیث" میں ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے، ضیاء المقدسی نے غریب الصحیحین میں اور فیروز آبادی نے "نقد الصحیح" میں اور دوسرے علماء نے بھی ان حدیثوں کے بارے میں بحث کی ہے۔ نیز ان راویوں کے بارے میں بھی علماء نے رائے دی ہے کہ جو جھوٹ بولنے، احادیث گھڑنے اور ان میں دست درازی کرنے میں شہرت رکھتے ہیں اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کی احادیث موجود ہیں۔ اب ہم بعض ایسے اعداد و شمار اور حقائق کا ذکر کرتے ہیں جو اس مسئلے کے حل میں مزید معاون ثابت ہوں گے۔

۱۔ حدیث کے حافظوں نے بخاری کی ۱۱۰ حدیثوں پر تنقید کی ہے کہ جن میں سے ۳۲ میں مسلم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اور ۷۸ صرف بخاری کی ہیں۔

۲۔ جن راویوں سے بخاری نے روایت کی ہے ان کی تعداد چار سو تیس سے کچھ زیادہ ہے جن میں سے اسی کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور جن سے فقط مسلم نے روایت کی ہے، ان کی تعداد ۶۲۰ ہے جن میں سے ایک سو ساٹھ کے ضعیف ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے۔

۳۔ دونوں کی جن احادیث پر تنقید کی گئی ہے ان کی تعداد ۲۱۰ ہے جس میں بخاری کی ۸۰ سے کم اور بقیہ مسلم کی ہیں۔

۴۔ بعض ایسے راوی ہیں کہ جن سے بخاری نے روایت نقل کی ہے لیکن مسلم انہیں ثقہ نہیں سمجھتے اور ان سے روایت نقل نہیں کرتے۔ ان میں سے مشہور ترین ابن عباس کا غلام عکرمہ ہے۔

۵۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بعض ایسی متناقض احادیث موجود ہیں جنہیں کسی بھی طریقے سے اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔ بنابریں اگر دونوں پر یقین ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حقیقت میں دو نقیضین ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ اسی لئے علماء نے ان احادیث کا انکار کیا ہے اور انہیں باطل قرار دیا ہے۔

مذکورہ نکات میں سے بعض یا سب کے بارے میں اہلسنت کے قدیم یا متاخر ہر دور کے بزرگ علماء نے واضح بیانات دیے ہیں۔ ان میں نووی، رازی، کمال الدین ابن الہمام، ابوالوفاء القرشی، ابوالفضل الاودنوی، الشیخ علی القاری، الشیخ محب اللہ بن عبدالشکور، الشیخ محمد رشید رضا، ابن امیر الحاج، صالح بن مہدی المقبلی، شیخ محمود ابوریہ، ڈاکٹر احمد امین اور ڈاکٹر احمد محمد شاکر وغیرہ شامل ہیں جنہوں نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ امت مسلمہ نے بخاری اور مسلم کی تمام حدیثوں کو قبول نہیں کیا یا یہ کہ ان تمام حدیثوں پر ایمان لانا کوئی ضروری نہیں ہے۔

بنابریں یہ بات واضح ہو گئی کہ بخاری اور مسلم کی تمام حدیثوں کے صحیح ہونے پر اجماع ہونے کے قول کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ابوالفضل اودنوی کہتا ہے: "شیخ ابو عمرو صلاح کا یہ کہنا ہے کہ امت نے ان دو کتابوں کو قبول کر لیا ہے، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اگر ان کی مراد پوری امت ہے تو یہ واضح طور پر غلط ہے اور اگر مقصد ان کتابوں کے بعد والے لوگ ہیں تو وہ پوری امت نہیں ہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان کی ہر حدیث کو تمام لوگوں نے قبول کیا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث کے حافظوں کے ایک گروہ نے ان کی حدیثوں کے بارے میں بحث کی ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے بحث کرتے ہوئے ان

کی بعض احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابن حزم نے بھی کئی ایک حدیثوں کے بارے میں بحث کی ہے جیسے واقعہ اسرا میں شریک والی حدیث۔ اور انہوں نے اسے غلط قرار دیا ہے۔ نیز ان دو کتابوں میں ایسی متعارض حدیثیں موجود ہیں جنہیں کسی طریقے سے بھی جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یقین میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا"۔ (۷۷)

محمد رشید رضا کہتے ہیں: "نہ یہ اصول دین میں سے ہے اور نہ ہی ارکان اسلام میں سے کہ ہر مسلمان کے لئے بخاری کی روایت کردہ حدیث پر ایمان لانا ضروری ہے۔ چاہے اس کا موضوع کچھ بھی ہو۔ بلکہ کسی نے بھی اسلام کے صحیح ہونے یا اس کی تفصیلی معرفت حاصل کرنے کے لئے صحیح بخاری کے بارے میں معلومات یا اس میں موجود ہر حدیث کے اقرار کو شرط قرار نہیں دیا ہے"۔ (۷۸)

بنابریں بعض علماء کا وہ دعوی بے بنیاد ثابت ہو گیا کہ قرآن میں کمی یا غلطی کی احادیث صحاح میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی مخالفت (طعن) نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ دعوی، اجماع، قرآن اور عقل کے واضح حکم کے برخلاف ہے۔ بنابریں ہر صحیح حدیث پر عمل کرنا واجب تو درکنار جائز بھی نہیں ہے۔

تحریف پر دلالت کرنے والی روایات اہلسنت کے محققوں کے نزدیک قابل قبول نہیں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو صحاح ستہ کی تمام احادیث کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان تمام پر ایمان رکھنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہ وہی حشویہ فرقہ کے لوگ ہیں جنہیں اہلسنت کے ہاں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

ثانیاً: تمام صحابہ کی عدالت پر اجماع کا دعوی بھی غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ عدالت صحابہ کی بہترین دلیل پیغمبر اکرمؐ کا یہ فرمان ہے: "میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی چاہو پیروی کرو ہدایت پا لو گے"۔ جبکہ اہلسنت کے محقق علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس حدیث کے باطل اور جعلی ہونے کا صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے۔ (۷۹)

اس کے علاوہ یہ حدیث قرآن' سنت اور تاریخی واقعات کے ساتھ بھی متصادم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی کئی آیات بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ حضور اکرمؐ کی زندگی میں ان کے ارد گرد رہنے والے بعض اصحاب کے منافق اور فاسق ہونے کی خبر دیتی ہیں۔ جیسا کہ سورۂ توبہ' سورۂ آل عمران اور سورۂ منافقون میں ہے۔ بعض آیات میں تو آپؐ کی وفات کے بعد بعض صحابہ کے مرتد ہو جانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "اگر پیغمبرؐ کو موت آگئی یا انہیں قتل کر دیا گیا تو کیا تم لوگ اپنے پچھلے قدموں پر پلٹ جاؤ گے"۔ (آل عمران۔ ۱۴۴) نیز حدیث حوض بھی آپؐ کے بعد کچھ اصحاب کے مرتد ہو جانے کو ثابت کرتی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں: "میں تم سے پہلے حوض پر آؤں گا اور مختلف قوموں سے میرا تنازعہ ہوگا۔ پھر مجھے غالب کر دیا جائے گا اور میں کہوں گا: میرے اللہ! میرے صحابہ؟ تو جواب دیا جائے گا: "آپ کو نہیں معلوم ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کر توت کئے"۔ (۸۰)

زبیدی نے متواتر احادیث میں اسے سترویں نمبر پر رکھا ہے کیونکہ اسے پچاس افراد نے روایت کیا ہے۔ (۸۱) کئی صحابہ کے بارے میں تو قرآن کریم اور احکام شریعت سے ناواقف ہونے کے ثبوت بھی ملتے ہیں۔ جیسا کہ ان میں سے بعض نے ایک دوسرے پر سب و شتم کیا' آپس میں بغض رکھا' جھگڑا کیا اور جنگ کی۔ کتابوں میں بعض صحابہ پر زنا' شراب اور سود خوری جیسے گناہانِ کبیرہ کا الزام بھی لگایا ہے۔ چنانچہ رافعی کہتا ہے: "کوئی یہ نہ سمجھے کہ کسی بات کے صحابہ کی طرف منسوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یقیناً صحیح ہے۔ کیونکہ وہ معصوم نہیں ہیں اور ایسی صحیح روایات موجود ہیں جن کے مطابق صحابہ نے پیغمبرؐ کے زمانے میں قرآن کی کچھ چیزوں کو سمجھنے میں غلطی کی تھی جو کہ بالکل واضح ہے"۔ (۸۲)

بنابریں تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی کسی بات کا کسی صحابی کی طرف منسوب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اسکے پابند ہو جائیں یا اسکی توجیہ کرنے کی زحمت اٹھائیں۔ بلکہ اس وقت تک اسے رد کرنا اور اسکا انکار کرنا ممکن ہے جب تک تمام صحابہ کی عدالت ثابت نہیں ہو جاتی۔

اہلسنت کی کتابوں میں تحریف کی روایات

اب ہم اہلسنت کی کتابوں میں موجود روایاتِ تحریف میں سے صرف بعض کو نمونے کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ علمائے اہلسنت نے ان کی جو تاویل بیان کی ہے یا انہیں جس طرح سے مسترد کیا ہے' اسے بھی بیان کریں گے۔ جبکہ بقیہ روایات کا بھی اسی کے انداز میں جواب دیا جاسکتا ہے۔ ان روایات کی چند قسمیں ہیں :

پہلی قسم : ان روایات پر مشتمل ہے جن میں ایسی سورتوں اور آیتوں کا تذکرہ ہے کہ جن کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پہلے قرآن میں تھیں' لیکن بعد میں انہیں نکال دیا گیا یا ان کی تلاوت منسوخ کر دی گئی یا انہیں بکری کھا گئی۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

اول : سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی :

۱۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے : "نبی اکرمؐ کے زمانے میں سورۂ احزاب کی دو سو آیتیں تھیں۔ لیکن اب ہماری دسترس میں وہی آیات ہیں جو اس وقت موجود ہیں"۔ (۸۳) اور راغب کے مطابق دو سو کی جگہ "سو آیت" کا لفظ ہے"۔ (۸۴)

۲۔ حضرات عمر' ابی بن کعب اور ابن عباس کے غلام عکرمہ سے روایت ہے : "سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی اور اس میں آیت رجم بھی شامل تھی"۔ (۸۵)

۳۔ حذیفہ کہتے ہیں : "میں نے نبی اکرمؐ کے سامنے سورۂ احزاب پڑھی تھی۔ پھر میں اس میں سے ستر آیتیں بھول گیا جو بعد میں مجھے نہیں ملیں"۔ (۸۶)

ان روایات میں جس چیز کی زیادتی کا دعویٰ کیا گیا ہے' اسے ابن صلاح نے تفسیر پر اور سیوطی اور ابن حزم نے نسخِ تلاوت پر حمل کیا ہے۔

ان روایات میں غور کرنے والے کو خود ان کے اندر سورۂ احزاب کی مقدار کے بارے میں

واضح اختلاف نظر آتا ہے' جس سے ان کے باطل ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ جہاں تک دوسری روایت میں مذکور آیتِ رجم کا تعلق ہے تو اسے ہم چوتھے حصے میں بیان کریں گے۔

دوم: لو کان لابن آدم وادیان-----

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ اس نے بصرہ کے قاریوں سے کہا: "ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جو لمبائی اور شدت میں توبہ کی طرح تھی۔ پھر میں اسے بھول گیا اور اس میں سے مجھے صرف یہ یاد ہے: "لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغی و ادیاً ثالثاً و لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب"۔(۸۷)

ابن صلاح نے اس سے سنت مراد لی ہے۔ وہ کہتا ہے: "حضورؐ کی احادیث میں یہ چیز معروف ہے کہ یہ کلام رسولؐ ہے نہ کہ کلام اللہ۔ اور اس کی تائید عباس بن سہل سے روایت ہونے والی وہ حدیث ہے جس میں وہ کہتا ہے: "میں نے ابن زبیر کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: "اگر ابن آدم کو دو وادیاں دی جائیں۔۔" زبیدی نے اس حدیث کو متواتر احادیث کی فہرست میں چوالیسویں نمبر پر رکھا ہے اور کہتا ہے: "اسے پندرہ صحابیوں نے روایت کیا ہے"۔(۸۸) جبکہ احمد ابن حنبل نے اپنی مسند میں ابو واقد اللیثی سے حدیث قدسی کے طور پر روایت کیا ہے۔ (۸۹) رہی ابو موسیٰ اشعری کی وہ خبر کہ جس کے مطابق یہ سورۃ طوالی اور شدید ہونے میں سورۂ توبہ کے برابر تھا تو اگر ایسا ہوتا تو یہ بات معلوم ہوتی اور رسولؐ اللہ 'صحابہ کرام' کاتبین وحی' حافظین اور قارئینِ قرآن اس سے غافل نہیں ہوتے۔

سوم: سورۃ خلع اور سورۃ حفد:

روایت میں آیا ہے کہ ابن عباس' ابی ابن کعب اور ابن مسعود کے نسخوں میں سورۂ خلع اور سورۂ حفد تھیں' حضرت عمر ابن خطاب نے انہیں قنوت میں پڑھا اور ابو موسیٰ اشعری بھی انہیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ دو سورتیں اس طرح تھیں:

۱۔ اللھم انا نستعینک و نستغفرک و نثنی علیک ولانکفرک و نخلع و نترک من

يفجرك"۔

۲۔اللهم اياك نعبد ' ولك نصلي و نسجد ' واليك نسعىٰ و نحفد 'نرجو رحمتك و نخشىٰ عذابك ' ان عذابك بالكافرين ملحق"۔(۹۰)

زرقانی' باقلانی اور جزیری وغیرہ نے ان سے دعا مراد لی ہے۔ اور الانتصار کے مصنف کا کہنا ہے: "قنوت والی بات جسے روایت کے مطابق ابی ابن کعب نے اپنے قرآن میں لکھا ہوا تھا' تو ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے اس کا قرآن ہونا ثابت ہو سکے۔ بلکہ وہ ایک قسم کی دعا تھی۔ اگر قرآن ہوتا تو ہم تک نقل کیا جاتا اور اس کی صحت کا علم ہوتا"۔ پھر کہتا ہے: "اور ابی ابن کعب کی جانب اس بات کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ روایات کے مطابق انہوں نے یہ بات اپنے نسخے میں لکھی تھی لیکن وہ قرآن کے علاوہ تاویل اور دعا بھی اپنے نسخے میں لکھ لیا کرتے تھے۔"(۹۱)

یہ دعا درمنثور' اتقان' سنن کبریٰ اور المصنف وغیرہ میں ابن ضریس' بیہقی اور محمد ابن نصر کی روایات میں نقل کی گئی ہے اور کسی نے بھی اس کے قرآن کا حصہ ہونے کی صراحت نہیں کی ہے۔ (۹۲)

چہارم: آیت رجم:

متعدد اسناد کے ساتھ حضرت عمر سے روایت ہے "آیتِ رجم کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جانا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' اگر مجھے لوگوں کی اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ عمر نے کتابِ خدا میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اسے لکھ دیتا: "الشيخ و الشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالاً من الله ' و الله عزيز حكيم"۔ کیونکہ ہم اسے پڑھ چکے ہیں"۔ (۹۳)

ابن اشتہ نے مصاحف میں لیث بن سعد سے نقل کیا ہے "حضرت عمر زید کے پاس آیت رجم لے کر آئے تھے لیکن اس آیت کے بیان کرنے میں وہ اکیلے تھے جس کی وجہ سے زید نے اسے لکھنے سے انکار کر دیا"۔(۹۴)

ابن حزم نے اپنی کتاب 'المحلی' میں اس کو ان آیات میں شمار کیا ہے جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے لیکن حکم باقی ہے۔ جبکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمر اسے لکھوانے کے لئے نہ آتے۔

ابن ظفر نے 'ینبوع' میں اس آیت کی تلاوت کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے اور وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے: "خبر واحد کے ذریعے قرآن ثابت نہیں ہو سکتا"۔(۹۵)

ابو جعفر النحاس نے اس سے سنت مراد لی ہے۔ وہ کہتا ہے: "حدیث کی سند صحیح ہے لیکن یہ قرآن نہیں ہے بلکہ سنتِ ثابتہ ہے اور قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں کے لئے بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں اسے پڑھا کرتا تھا۔ اس کی دلیل حضرت عمر کا یہ کہنا ہے کہ اگر مجھے لوگوں کی اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ عمر نے قرآن میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اسے بڑھا دیتا"۔(۹۶)

پنجم: آیتِ جہاد:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: "ہمارے پاس جو قرآن آیا تھا کیا اس میں تم نے اس آیت کو نہیں دیکھا "ان جاھدوا کما جاھدتم اوّل مرّۃ" کیونکہ یہ مجھے نہیں ملی۔ تو انہوں نے جواب دیا: قرآن سے جن حصوں کو نکالا گیا ہے' ان میں سے ایک یہ بھی ہے"۔(۹۷)

کیا یہی لوگ جمعِ قرآن کی احادیث میں یہ روایت نہیں کرتے کہ کسی بھی آیت کو دو صحابیوں کی اس گواہی کے ساتھ لکھ دیا جاتا تھا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ تو کیوں حضرات عمر اور عبدالرحمٰن بن عوف نے گواہی دے کر اس آیت کو نہیں لکھوالیا۔ لہٰذا یہ ایک جعلی حدیث ہے ورنہ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے کاتبین و حافظینِ قرآن سے یہ آیت چھپ کر صرف ان دو حضرات کے پاس کیسے رہ سکتی تھی؟

ششم: آیتِ رضاعت:

حضرت عائشہ سے روایت ہے: "قرآن میں یہ بھی تھا 'عشر رضعات معلومات یحرمن' بعد میں یہ "خمس معلومات" کے ذریعے منسوخ ہو گئی۔ پھر رسول اللہ کی وفات ہو گئی

لیکن حکم باقی ہے"۔(۹۸)

بعض محققوں نے حضرت عائشہ کی اس روایت کی توجیہ اس طرح سے کی ہے کہ ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ یہ آیت قرآن میں تھی بلکہ یہ ایک ایسا شرعی حکم تھا جو خدا نے حضورؐ کو قرآن سے ہٹ کر وحی کے ذریعے پہنچایا تھا اور قرآن نے ان احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ بنابریں "قرآن میں یہ بھی تھا۔۔۔" سے حضرت عائشہ کی مراد یہ ہے کہ جن احکام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر نازل کیا تھا اور قرآن میں ان کی پیروی کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک یہ تھا کہ "عشر رضعات یحرمن" پھر یہ حکم "خمس رضعات یحرمن" کے ذریعے منسوخ ہو گیا اور پیغمبر اکرمؐ وفات پا گئے لیکن یہ حکم باقی ہے۔ اس حکم کے وحی کی صورت میں نازل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ وحی کے بغیر بات ہی نہیں کرتے تھے اور اس بات کی دلیل کہ ہمیں آپؐ کے ہر حکم پر عمل کرنا چاہیے قرآن کی یہ آیت ہے "اور رسول جو تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے اجتناب کرو"۔(۹۹)

کچھ لوگوں نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی تلاوت کو منسوخ اور حکم کو باطل کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ بہت جلد اس کی وضاحت کر دی جائے گی۔

بعض شافعیوں اور حنبلیوں نے اسے ان آیات میں شمار کیا ہے جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے۔ یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخ حضورؐ کی وفات کے بعد ہوا ہے جو کہ اجماعاً باطل ہے۔

اس حدیث کے راوی مالک بن انس، احمد بن حنبل اور ابو ثور وغیرہ نے بھی اس پر عمل نہیں کیا ہے۔ طحاوی اور سرخسی وغیرہ نے اسے باطل اور شاذ قرار دیا ہے۔ جبکہ متاخرین میں سے استاد سایس، ان کے شاگرد استاد عریض، عبدالرحمٰن الجزیری اور ابن خطیب وغیرہ کا بھی یہی خیال ہے۔ (۱۰۰)

اس حدیث کو ان الفاظ "توفی رسول اللہ و ھن مما یقرأ من القرآن" کے ساتھ

انس بن مالک نے عبداللہ بن ابی بکیر سے روایت کیا ہے جبکہ بعض دوسروں نے ان الفاظ کے بغیر بھی روایت کیا ہے۔ ابو جعفر نحاس کہتے ہیں: "بعض محترم ماہرین حدیث کہتے ہیں: اس حدیث کو دو جلیل القدر افراد نے بھی نقل کیا ہے جو کہ عبداللہ بن ابو بکیر سے زیادہ قابل اطمینان ہیں۔ اور انہوں نے ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ دو افراد قاسم بن محمد بن ابو بکر اور یحیٰی بن سعید انصاری ہیں" (۱۰۱) اور طحاوی کہتا ہے: "ہمیں علم نہیں کہ عبداللہ بن ابو بکر کے علاوہ کسی اور نے انہیں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہو، ہمیں لگتا ہے کہ یہ اس کا وہم ہے"۔ (۱۰۲)

البتہ حدیث کا ان الفاظ سے خالی ہونا اس کے قرآن ہونے کو ثابت کر سکتا ہے اور نہ اس کی نفی کر سکتا ہے۔ تفسیر المنار کے مصنف کہتے ہیں: "اس جملے کا قرآن میں سے ہونا اور اس کی تلاوت کا کیا جانا صحیح ہو تو صرف حضرت عائشہ کو اس کا علم کیوں ہوا؟ اس کے بارے میں تو کثرت سے روایات ہوتیں، عام لوگ اس پر عمل کرتے ہوئے نظر آتے اور خلفائے راشدین اس کے مطابق حکم دیتے۔ لیکن ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا"۔ وہ مزید لکھتا ہے۔ "عائشہ سے کی جانے والی اس روایت کو جھٹلا دینا اسے ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہے جبکہ قدیم و جدید علماء نے اس پر عمل بھی نہیں کیا ہے"۔ (۱۰۳)

ہفتم: دو سال سے بڑے بچے کو دس مرتبہ دودھ پلانے کی آیت:

حضرت عائشہ سے روایت ہے: "آیت رجم اور دو سال سے بڑے بچے کو دس مرتبہ دودھ پلانے والی آیت نازل ہوئی تھی اور یہ میرے تخت کے نیچے کسی چیز پر لکھی ہوئی پڑی تھی۔ جب رسول اکرمؐ کی وفات ہوئی تو ہم اس میں مصروف ہو گئے اور بکری آکر اس کو کھا گئی"۔ (۱۰۴)

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو صرف حضرت عائشہ نے ہی لکھا تھا اور انہوں نے ہی اس کی حفاظت کی تھی۔ جبکہ یہ بہت ہی عجیب و غریب بات ہے۔ پس باقی صحابہ، قرآن لکھنے والے اور حفظ کرنے والے کہاں تھے؟ سرخسی کہتا ہے: "حضرت عائشہ کی یہ حدیث صحیح نہیں

ہو سکتی۔ کیونکہ اس (بکری کے کھا جانے) کی وجہ سے ذہنوں سے قرآن کا حفظ تو ختم نہیں ہو سکتا اور دوسرے نسخوں سے اس آیت کو دوبارہ ثابت کیا جا سکتا تھا۔ بنابریں ثابت ہوا کہ یہ حدیث بے بنیاد ہے"۔(۱۰۵)

رہی آیت رجم تو اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور رجم کا حکم حضورؐ کی سنت میں سے ہے۔

اس کے علاوہ بڑے کو دس مرتبہ دودھ پلانے کا یہ حکم صرف حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے اور حضورؐ کی دوسری بیویوں نے اس بارے میں ان پر تنقید بھی کی تھی اور کسی نے اس سلسلے میں حضرت عائشہ کے اس قول کی حمایت نہیں کی ہے۔ ابن مسعود نے بھی ابو موسیٰ اشعری کو اس بارے میں ٹوکتے ہوئے کہا تھا: "رضاعت وہ ہے جو گوشت اور خون کو پیدا کرے"۔ اور ابو موسیٰ نے ان کی بات مان لی تھی۔(۱۰۶)

ہشتم: پہلی صفوں میں نماز پڑھنے والوں پر درود بھیجنے والی آیت:

ابو یونس کی بیبی حمیدہ سے روایت ہے: "میرے والد نے اسی سال کی عمر میں حضرت عائشہ کے قرآن سے مجھے یہ آیت پڑھ کر سنائی تھی: "ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیماً و علی الذین یصلون فی الصفوف الاولی"۔ وہ کہتی ہے: "حضرت عثمان کی جانب سے قرآن کو تبدیل کرنے سے پہلے یہ آیت موجود تھی"۔(۱۰۷)

بظاہر یہ بھی ایک خبر واحد ہے جس سے قرآن ثابت نہیں ہوتا۔ بصورت دیگر دوسرے اصحاب' کاتبین وحی' حافظینِ قرآن اور قرآن جمع کرنے والی کمیٹی سے یہ آیت کیسے مخفی رہی؟ اور صرف حضرت عائشہ ہی کو اس کا علم کیونکر ہوا؟ اگر یہ صحیح ہو تو بھی یہ حضور کی حدیث ہے جسے حضرت عائشہ نے قرآن سمجھا اور اپنے نسخے میں لکھ لیا۔ کیونکہ براء بن عازب سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا: "ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی الصفوف الاول"۔(۱۰۸) اور خود

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں جو صفوں کو آپس میں ملاتے ہیں"۔ (۱۰۹)

شاید یہ حدیث قرآن کے حاشیہ پر لکھی ہوئی ہو گی۔ جیسا کہ اس وقت کے لوگ اہم باتوں کو اپنے مخصوص قرآن کے حاشیہ پر لکھ لیا کرتے تھے۔

نہم: قرآن کے حروف کی تعداد:

طبرانی نے حضرت عمر سے روایت کی ہے: "قرآن دس لاکھ ستائیس ہزار حروف پر مشتمل تھا"۔ (۱۱۰) جبکہ موجودہ قرآن اس کا تیسرا حصہ بھی نہیں ہے۔ ذہبی کہتا ہے: "اس باطل خبر کو صرف محمد بن عبید نے ذکر کیا ہے"۔ (۱۱۱)

حروف کی تعداد پر مبنی روایات میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک اور روایت میں دس لاکھ اکیس ہزار ایک سو پچاس حروف بتائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری روایات بھی مختلف تعداد بتاتی ہیں جس سے ان احادیث کی صحت مزید مشکوک ہو جاتی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو بھی ہو سکتا ہے کہ یہ احادیثِ قدسیہ کی طرح ایسی وحی ہوں جو قرآن نہیں ہے اور ہم ملاحظہ کر چکے ہیں کہ قرآن کی آیات لکھنے میں اس قدر احتیاط برتی گئی ہے کہ بعض صحابہ نے ایک حرف کو ہٹانے پر تلوار نکالنے کی دھمکی دے دی تھی۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کے دو حصے ضائع ہو جائیں اور کوئی اعتراض کرے نہ اسے شامل کرنے کا مطالبہ کرے۔ اس کے علاوہ کئی صحابہ نے تو حضورؐ کے زمانے میں ہی پورا قرآن یا اس کا کچھ حصہ لکھ کر یا یاد کر کے محفوظ کر لیا تھا اور مکتوب قرآن ذہنوں میں محفوظ آیات کی گواہی دیتے تھے اور حفظ شدہ آیتیں نوشتہ جات کی صحت کی شہادت دیا کرتی تھیں۔ ایسی صورت حال میں قرآن کا ساٹھ فیصد سے زیادہ حصہ کس طرح ضائع ہو سکتا ہے۔ نیز وہ کلمات جو قرآن میں نہیں ہیں اور ان کے بارے میں قرآنی آیت ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے اکثر پر یہ اعتراض بھی ہے کہ یہ صرف و نحو کے قواعد، قرآن کریم کے اسلوب اور اس کی اعلیٰ بلاغت کے مطابق نہیں ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلامِ الٰہی نہیں ہے۔ نہ اس میں وہ

حلاوت و شیرینی پائی جاتی ہے اور نہ رونق و عمدگی جو قرآن کا خاصہ ہے۔ بلکہ ایسی سبک، پست اور متضاد باتیں ہیں کہ جو خدا تو درکنار مخلوق سے بھی بعید ہے۔

اس بارے میں مزید تفصیل کے لئے شیخ جواد بلاغی مرحوم کی تفسیر' آلاء الرحمٰن کا مقدمہ ملاحظہ کیا جائے۔

علاوہ ازیں ان میں سے کچھ، احادیث نبویہ یا سنت اور احکام ہیں جنہیں قرآن سمجھ لیا گیا ہے۔ جیسا کہ روایت کے مطابق "الولد للفراش و للعاهر الحجر" کو آیت شمار کیا گیا ہے جبکہ اس میں کسی کو شک نہیں کہ یہ حدیث ہے۔ پھر ان میں سے اکثر کو متعدد الفاظ اور مختلف عبارتوں میں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اگر یہ قرآن کا حصہ ہوتے تو ان کے الفاظ ایک ہوتے۔

تلاوت کا منسوخ ہونا

قرآن کریم میں نسخ کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ تلاوت کا باقی رہنا اور صرف حکم کا نسخ ہو جانا:

اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے' علماء اور مفسرین کے درمیان بھی مشہور ہے اور ایک قابل قبول اور معقول بات ہے۔ کیونکہ کچھ احکام ایک ہی مرتبہ میں نازل نہیں ہوئے بلکہ تدریجاً نازل ہوئے ہیں تاکہ ذہن ان سے مانوس ہو جائیں اور عقل انہیں قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ ایسے احکام بعد میں منسوخ ہو گئے لیکن ان کے الفاظ باقی ہیں۔ اس کے تربیتی اور قانون سازی کے رازوں سے صرف خدا ہی واقف ہے۔

۲۔ حکم کا باقی رہنا اور صرف تلاوت کا منسوخ ہو جانا:

اس کے لئے آیت رجم کی مثال دی جاتی ہے اور کہتے ہیں: یہ آیت قرآن میں تھی۔ پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی لیکن حکم باقی ہے۔

۳۔ تلاوت اور حکم دونوں کا منسوخ ہونا:

اس کے لئے آیت رضاع کی مثال دی جاتی ہے۔

سابقہ بحث میں گزر چکا ہے کہ قرآن میں کمی کو ثابت کرنے والی روایات کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ الفاظ کلام الٰہی کا حصہ ہیں لیکن اب ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے جبکہ حکم باقی ہے یا یہ کہ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے یہ نظریہ اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ ایک طرف سے تحریف کے قائل ہونے سے بچ جائیں تو دوسری جانب سے روایات کو مسترد بھی نہ کرنا پڑے۔ ورنہ صحاح ستہ' حدیث کی دوسری کتابیں اور وہ بزرگ صحابہ تنقید کا شکار ہو سکتے تھے جن سے یہ روایات نقل ہوئی ہیں۔

لیکن نسخ کی آخری دو قسمیں تو خود تحریف قرآن ہی ہے جو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر باطل ہے:

۱۔ عقلی طور پر محال ہے کہ صرف الفاظ منسوخ ہو جائیں اور حکم باقی رہے کیونکہ ہر حکم کے لئے ایسے الفاظ کا ہونا ضروری ہے جو اس کی نشاندہی کریں تو جب الفاظ ہی نہیں ہوں گے تو اس حکم کی نشاندہی کیا چیز کرے گی؟ کیونکہ حکم کا مرتبہ تو لفظ کے بعد ہے اور جب لفظ ہی نہیں ہو گا تو حکم کا وجود محال ہے۔

۲۔ نسخ ایک حکم ہے اور ہر حکم کے لئے واضح دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور گذشتہ روایات میں جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے ان کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی حضورؐ کی کسی حدیث میں نہیں آیا ہے کہ یہ منسوخ ہو گئی ہے۔ جبکہ آپؐ کے لئے ضروری تھا کہ امت کو نسخ والا حکم اسی طرح سے پہنچاتے جس طرح سے قرآن پہنچایا تھا۔ بنا بریں چونکہ نسخ کی تبلیغ نہیں کی ہے اس لئے یہ بات ہی بے بنیاد ہے۔

۳۔ جن روایات کی وجہ سے آیات کے نسخ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ خبر واحد ہیں جو کہ نسخ کی دلیل کے لئے ناکافی ہے۔ کیونکہ علماء بالاتفاق کہتے ہیں کہ قرآن کو خبر واحد کے ذریعے منسوخ

نہیں کیا جا سکتا۔ (۱۱۲) قطان نے اسی بات کو اکثر کی طرف نسبت دی ہے۔ (۱۱۳) رحمت اللہ ہندی نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "اگر خبر واحد ایک ایسے حکم کا تقاضا کرے کہ جس پر دلالت کرنے والی کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو خبر واحد کو مسترد کر دینا واجب ہے"۔ (۱۱۴) بلکہ شافعی ان کے اصحاب اور اہل ظاہر تو دو ٹوک الفاظ میں کہتے ہیں کہ قرآن تو سنت متواترہ کے ساتھ بھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ احمد ابن حنبل نے بھی ان سے نقل ہونے والی ایک روایت کے مطابق اس بات کی تصریح کی ہے۔ بلکہ جو لوگ سنت متواترہ کے ذریعے نسخ کو ممکن سمجھتے ہیں وہ بھی اس مقام پر نسخ کے رونما ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ (۱۱۵)

لہذا تلاوت کا حکم سمیت یا بغیر حکم کے منسوخ ہونا غلط ہے اگرچہ نسخ کی روایتوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے۔ جبکہ یہ روایات ضعیف، خبر واحد اور پست متون کی حامل ہیں۔

۴۔ بعض معتزلہ اور اکثر شیعہ علماء نے نسخ کی آخری دو قسموں کا انکار کیا ہے اور خود انہیں تحریف قرار دیا ہے۔ اسی طرح اہلسنت کے اکثر قدیم و جدید محقق علماء نے بھی ان کا اقرار نہیں کیا ہے۔ قاضی ابو بکر نے اپنی کتاب الانتصار میں کہا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نسخ کی دوسری قسم کو قبول نہیں کرتی۔ (۱۱۶) ابن ظفر نے بھی اپنی کتاب الینبوع میں اس کو رد کیا ہے (۱۱۷) اور ابو مسلم سے منقول ہے کہ نسخ تلاوت شرعاً ممنوع ہے۔ (۱۱۸)

اب ہم نسخ تلاوت کی رد میں بعض محقق اہلسنت علماء کے اقوال کو پیش کرتے ہیں:

۱۔ خضری کہتے ہیں: "مجھے اس بات کے معنی سمجھ میں نہیں آتے کہ جس آیت کو اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کے بیان کے لئے نازل کیا ہو۔ پھر حکم کو تو باقی رکھے لیکن الفاظ کو منسوخ کر دے۔ کیونکہ قرآن کا مقصد اعجاز اور احکام کا پہچاننا ہے تو حکم کو باقی رکھ کر آیت کے اٹھا لینے میں آخر کیا فائدہ ہے؟ یہ بات سمجھ سے باہر ہے اور اس کے قائل ہو جانے کی کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی۔ (۱۱۹)

۲۔ ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں: "بہر حال اس دوسری اور تیسری قسم میں عجیب جسارت نظر آتی ہے جن کے مطابق بعض آیات احکام سمیت یا اس کے بغیر منسوخ ہوئی ہیں۔ اس پر غور و فکر کرنے

والے پر اس نظریے کی دوہری غلطی بالکل واضح ہو جائے گی۔ کیونکہ مسائل کو مختلف اقسام میں اس وقت تقسیم کیا جاتا ہے جب ہر قسم کے لئے کئی یا کافی تعداد میں مثالیں موجود ہوں تاکہ ان کی مدد سے ایک قانون سمجھا جا سکے۔ جبکہ نسخ کے حامی افراد کے پاس ان دو میں سے ہر ایک کے لئے ایک یا دو مثالیں ہیں اور وہ بھی خبر واحد کہ جس کے ذریعے سے قرآن ثابت ہو سکتا ہے اور نہ نسخ۔ کیونکہ یہ کوئی دلیل نہیں ہیں"۔(۱۲۰)

۳۔ڈاکٹر مصطفیٰ زید فرماتے ہیں: "حکم کا باقی رہنا اور تلاوت کا منسوخ ہو جانا محض ایک فرض ہے ورنہ یہ ایک مرتبہ بھی واقع نہیں ہوا۔ اسی لئے ہم اسے نا قابل قبول اور غیر معقول سمجھتے ہیں"۔ (۱۲۱)

۴۔ عبدالرحمٰن جزیری تحریر کرتے ہیں: "وہ روایات کہ جن میں بعض کلمات کو اس طرح سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ قرآن میں تھے اور پھر حضورؐ ہی کے زمانے میں منسوخ ہو گئے تھے تو انہیں قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ اور بالاتفاق یہ کسی حکم قرآنی کو بیان نہیں کرتے۔ پھر اگر ان کی کوئی ایسی تاویل ممکن ہو جس سے ان کا قرآن نہ ہونا ثابت ہو جائے تو انہیں احادیث شمار کیا جائے گا بصورت دیگر میرے خیال میں یہ کسی شرعی حکم کو بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ان کی دلالت اس بات پر موقوف ہے کہ ان کی حقیقت واضح ہو جائے جو کہ واضح نہیں ہے۔ پس انہیں کسی طرح سے دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ان روایات کو ترک کر دیا جائے"۔(۱۲۲)

۵۔ابن خطیب کہتے ہیں: "بعض لوگ کچھ آیتوں کے بارے میں تلاوت کے منسوخ ہونے اور حکم کے باقی رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جبکہ کوئی صاحب احترام شخص جو اللہ کی دی ہوئی نعمتِ عقل کی قدر کرتا ہو' اسے قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آخر حکم کو باقی رکھ کر آیت کے الفاظ کو منسوخ کرنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ ایسی کیا مصلحت ہے جس کے تحت ایک واجب العمل قانون کو نافذ کیا جائے اور پھر صرف اس کے الفاظ کو منسوخ کر دیا جائے؟ اپنے اس جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے اس نظریے کے حامی افراد ایک آیت کو بطور مثال پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہو چکی

ہے جبکہ خدا جانتا ہے کہ یہ قرآن کی آیت تھی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو صحابہ اس سے غافل نہ رہتے اور سلف صالح اسے اپنے نسخوں میں ضرور لکھتے"۔ (۱۲۳)

دوسری قسم :وہ روایات ہیں جو خطا اور تبدیلی کے واقع ہونے کو بتاتی ہیں :

اول : حضرت عثمان سے روایت ہے :"بے شک قرآن میں غلطی ہے لیکن عرب خود ہی اسے ٹھیک کر لیں گے۔ جب کہا گیا کہ آپ خود اسے کیوں ٹھیک نہیں کر لیتے تو جواب دیا: اسے چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ کسی حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام نہیں کرتی"۔ (۱۲۴)

ابن اشتہ نے اس حدیث میں موجود لفظ خطا سے یہ مراد لی ہے کہ سات حروف میں سے بہتر کے اختیار کرنے میں غلطی ہوئی ہے اور وہ الفاظ مراد لیے ہیں جن کا تلفظ ان کے رسم الخط کے مطابق نہیں ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ اس روایت کو جھٹلا کر ترک کر دیا جائے۔ جیسا کہ دانی، رازی، نیشاپوری، ابن انباری، آلوسی، سخاوی، حازن، باقلانی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے کیا ہے۔ (۱۲۵) یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ اس کی سند مضطرب، منقطع اور گڈمڈ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ادھر قرآن حضور اکرمؐ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے لہذا اس میں غلطی کس طرح سے ہو سکتی ہے۔ نیز اس موجودہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور اللہ کے کلام میں کس طرح غلطی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تمام اصحاب اور ان کے بعد آنے والے علمائے اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ یہ قرآن لفظی طور پر بالکل صحیح ہے اور کاتب یا کسی اور کی جانب سے اس میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی ہے۔ اس روایت کے باطل ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان لوگوں کے رہنما تھے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن میں غلطی کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے اسے نظر انداز کر دیں کہ عرب لوگ خود ہی اس کی تصحیح کر لیں گے یا کس طرح ممکن ہے کہ وہ ایک غلط چیز کی اصلاح میں تاخیر کریں؟ اگر قرآن کو جمع کرنے والے دوسروں سے بہتر، فصیح و بلیغ اور بااختیار ہونے کے باوجود اس کی تصحیح نہیں کریں گے تو دوسرا کون یہ کام کرے گا؟ پھر حضرت عثمان نے کوئی ایک قرآن تو نہیں لکھوایا تھا

بلکہ کئی نسخے لکھوائے تھے اور ان میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں تھا سوائے قرائت اور تلاوت میں اختلاف کے۔ جسے غلطی نہیں کہا جا سکتا۔ (۱۲۶)

یہ اور اس جیسی دوسری روایات کے بارے میں فیصلہ کرنا مزید آسان اس لیے ہو جاتا ہے کہ ان کا راوی ابن عباس کا غلام عکرمہ ہے جو گمراہوں کا سردار اور برائیوں کا مبلغ تھا۔ اس کے نظریات خوارج جیسے تھے اور جھوٹ اور بہتان میں وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اسی لیے ابن عمر، مجاہد، عطا، ابن سیرین، مالک بن انس، شافعی، سعید بن میسّب اور یحیٰی بن سعید جیسے بزرگ علماء نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ مالک نے اس سے روایت کرنے کو حرام کہا ہے اور مسلم نے بھی اس سے پرہیز کیا ہے۔ (۱۲۷)

دوم: سورۂ نور کی آیت ۲۷ (حتیٰ تستانسُوا وَ تسلموا) کے بارے میں ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ حتی تستاذنوا تھا اور کاتب نے یہاں غلطی کی ہے۔ (۱۲۸) یہاں استئناس سے مراد استعلام (معلوم کرلینا) ہے یعنی یہاں تک کہ معلوم کرلو کہ گھر میں کون ہے۔ یہ روایت ابن عباس پر بہتان ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے تمام قرآنوں میں "حتی تستانسوا" لکھا ہوا ہے اور حضورؐ کے زمانے سے آج تک اس پر اجماع ہے۔ پس ایسی روایات قابلِ توجہ نہیں ہیں۔

علامہ فخر رازی لکھتے ہیں: "ابن عباس سے کی جانے والی یہ روایت مشکوک ہے۔ کیونکہ اس کا لازمہ یہ نکلتا ہے کہ تواتر کے ساتھ نقل ہونے والا قرآن صحیح نہیں ہے لیکن وہ قرآن صحیح ہے جس میں تواتر نہیں پایا جاتا۔ اگر یہ دو دروازے کھل گئے تو پھر پورا قرآن مشکوک ہو جائے گا اور یہ صحیح نہیں ہے"۔ (۱۲۹)

ابو حیان کا قول ہے: "جو شخص ابن عباس سے روایت کرے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "حتی تستانسوا" خطا یا کاتب کی غلطی ہے اور اسے "حتی تستاذنوا" پڑھے تو وہ کافر اور ملحد ہے اور ابن عباس اس بات سے بری الذمہ ہیں"۔ (۱۳۰)

سوم: عروۃ بن زبیر حضرت عائشہ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے حضرت عائشہ سے ان آیات

کے بارے میں پوچھا: "لکن الراسخون فی العلم" (نساء۔ ۶۹) سے "المقیمین" تک، "ان الذین آمنوا و الذین هادوا و الصابئون" (مائدہ۔ ۶۹) اور "انّ هذان لساحران" (طٰہٰ۔ ۶۳) تو حضرت عائشہ نے جواب دیا: اے میرے بھانجے! یہ کاتبوں کا کام ہے۔ انہوں نے قرآن میں غلطیاں کر دی ہیں۔" (۱۳۱) ان کا مقصد یہ تھا کہ "المقیمین" بنا بہ عطف "المقیمون" ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ حسن اور مالک بن دینار کی قرائت ہے لیکن موجودہ قرآن میں اور اہل اور اکثر قارئین کی قرائت کے مطابق "المقیمین" آیا ہے جس کے بارے میں مشہور نحوی سیبویہ کا کہنا ہے کہ اسے بنا بہ مدح نصب دیا گیا ہے یعنی "اعنی المقیمین"۔ اس نے عربی زبان سے اس کی اور بھی کئی مثالیں اور شواہد پیش کیے ہیں۔ (۱۳۲)

آلوسی کہتا ہے: "اس شخص کی بات بالکل قابلِ توجہ نہیں ہے جو اس (المقیمین) کو قرآن میں غلطی سمجھتا ہے اور واو کے ساتھ "والمقیمون" کو صحیح قرار دیتا ہے۔ کیونکہ کلمات کی ترتیب کے متواتر نقل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں غلطی نہیں ہو سکتی"۔ (۱۳۳)

اور "و الصابئون" کو رفع کے ساتھ اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ یہ انّ کے اسم کے محل پر عطف ہے۔ مشہور نحوی فراء کہتا ہے: "جب انّ کا اسم ایسا لفظ ہو جس کا اعراب ظاہر نہ ہو تو اسم کے محل پر عطف کرنا جائز ہے۔ جیسے کہ اسم ضمیر یا اسم موصول وغیرہ۔ درج ذیل شعر اسی کی مثال ہے:

فمن یك امسیٰ بالمدینة رحله فانی و قیارٌ بها لغریبٌ

اس میں قیارٌ مرفوع ہے جسے یاء متکلم کے محل پر عطف کیا گیا ہے۔ (۱۳۴) ادھر کوفہ اور بصرہ کے ادیبوں نے اس آیت میں رفع کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں عربی ادب سے کئی مثالیں بھی دی ہیں۔

تفسیر المنار کے مصنف کہتے ہیں: "بعض دشمنان اسلام نے قرآن میں نحوی غلطیوں کو ثابت کرنے کی جسارت کی ہے اور "الصابئون" کے رفع کو بھی غلطی شمار کیا ہے جو کہ درحقیقت

مثالیں بھی دی ہیں۔

تفسیر المنار کے مصنف کہتے ہیں: "بعض دشمنان اسلام نے قرآن میں نحوی غلطیوں کو ثابت کرنے کی جسارت کی ہے اور "الصابئون" کے رفع کو بھی غلطی شمار کیا ہے جو کہ درحقیقت جہالت اور کم عقلی کا نتیجہ ہے۔ یہ جسارت نحو کے قاعدوں کے ظاہر کو دیکھ کر پیدا ہوئی ہے۔ یہ لوگ اس بات سے ناواقف ہیں یا تجاہلِ عارفانہ برتتے ہیں کہ نحو کے قواعد کو زبان سے حاصل کیا گیا ہے نہ کہ زبان کو نحو سے"۔(۱۳۵)

انّ هٰذان لساحران میں اکثر مسلمانوں نے انّ کو بغیر تشدید کے پڑھا ہے۔ لہذا یہ مخففہ از مثقلہ ہے جو کہ عمل نہیں کرتا۔ بنابریں "هٰذان" مرفوع ہوگا۔

زمخشری کہتا ہے: "انّ هٰذان لساحران" ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں کہ انّ زید لمنطلق۔ اس میں لام نے ان نافیہ اور مخففہ از مثقلہ میں فرق ڈالا ہے"۔(۱۳۶) لہذا آیت میں کوئی اشکال ہے اور نہ کاتبوں کی کوئی غلطی ہے۔

فخر رازی کا قول ہے: "جیسا کہ پورے قرآن کا نقل مشہور ہے اسی طرح سے ان قرائات کا نقل ہونا بھی اتنی ہی شہرت رکھتا ہے۔ تو اگر یہ (قرائات کی نقل) باطل ہے تو پھر پورے قرآن میں بھی اس کا امکان ہوگا جو کہ قرآن کے تواتر پر اور پورے قرآن پر اعتراض کے مترادف ہے اور یہ صحیح نہیں ہے"۔(۱۳۷)

چہارم: کہا گیا ہے کہ حجاج بن یوسف نے قرآن میں بارہ تبدیلیاں کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۹ میں "لَمْ یَتَسَنَّ" تھا جسے حجاج نے "لَمْ یَتَسَنَّهْ" ہاء کے ساتھ کر دیا۔

۲۔ سورۂ مائدہ آیت ۴۸ میں "شِرْعَةً وَ مِنْهاجاً" تھا جسے اس نے "شِرْعَةً وَ مِنْهاجاً" کر دیا۔

۳۔ سورۂ یونس آیت ۲۲ میں "هُوَ الَّذِیْ یُنْشِرُکُمْ" تھا جسے اس نے "هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ"

کر دیا۔(۱۳۸)

یہ اور دوسری مثالیں سجستانی کی المصاحف سے عباد بن صہیب کی روایت کے ساتھ منقول ہیں (۱۳۹) جو کہ ماہرین حدیث اور علمائے جرح و تعدیل کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے اور اس پر جھوٹ بولنے اور بہتان تراشی کرنے کا الزام ہے"۔(۱۴۰)

آیت اللہ خوئی فرماتے ہیں: "یہ دعویٰ تپ زدہ لوگوں کا ہذیان اور بچوں اور مجنونوں کی خرافات سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے، کیونکہ حجاج، بنو امیہ کا ایک گورنر تھا۔ اس میں یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ قرآن کو تبدیل کر سکے بلکہ وہ تو اسلامی شریعت کے کسی چھوٹے سے مسئلے کو بھی تبدیل نہیں کر سکتا تھا، دین اور شریعت کی بنیاد میں تبدیلی تو دور کی بات ہے۔ اور پھر اس نے تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں قرآن کو پھیلایا کیسے؟ اس تاریخی سانحے کو کسی مورخ نے ذکر نہیں کیا اور نہ کسی ناقد نے اس پر تنقید کی ہے۔ حالانکہ اس کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے اور اسے نقل کرنے کے محرکات بھی بہت زیادہ ہیں۔ کیوں حجاج کے زمانے میں کسی ایک مسلمان نے بھی اس کو نقل نہیں کیا اور اس کے بعد بھی مسلمانوں نے کیونکر اس سے چشم پوشی کی؟ کیا اس نے قرآن کے تمام نسخوں کو جمع کر لیا تھا اور ایک بھی اس کی دسترس سے نہیں بچا تھا؟ کیا اس نے قرآن کو مسلمانوں کے ذہنوں اور بے شمار حافظوں کے دلوں سے بھی نکال لیا تھا؟"(۱۴۱)

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ خلفائے سابق بھی اس کے ایک حرف کو تبدیل کرنے کی جرأت نہیں کر سکے اور ایسی کوشش کرنے والے پر مسلمانوں نے تلواریں تان لی تھیں تو حجاج کیونکر تمام مسلمانوں کے سامنے قرآن میں بارہ تبدیلیاں کر سکتا ہے؟ جبکہ قرآن کے نسخوں اور حافظوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔

تیسری قسم: وہ روایات جو قرآن میں زیادتی کو ثابت کرتی ہیں:

۱۔ عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے: "عبداللہ بن مسعود معوذتین (سورۂ فلق اور ناس) کو اپنے قرآن سے کھرچ کر نکالتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ قرآن نہیں ہیں۔"(۱۴۲)

۲۔ عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ اس نے اپنے قرآن میں سورۂ فاتحہ کو نہیں لکھا تھا۔ اور یہی کام ابی بن کعب نے بھی کیا تھا۔ (۱۴۳)

تحریف کے معنی میں بتایا جا چکا ہے کہ قرآن میں زیادتی کے ذریعہ تحریف اجماعاً باطل ہے۔ کیونکہ اس طرح سے قرآن کہ جس کا ہر ہر لفظ اور ایک ایک حرف متواتر قطعی ہے، مشکوک ہو جائے گا اور جو شخص قرآن کے کسی حصے کا انکار کرے وہ دین سے خارج ہے۔ ابن مسعود سے منقول باتیں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ عہدِ رسالت سے آج تک مسلمانوں کا اجماع ہے کہ فاتحہ اور معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں۔

ان دو روایتوں کے متعلق علماء کی عام رائے یہ ہے کہ ابن مسعود کی جانب ان کی نسبت غلط ہے۔ علماء کہتے ہیں: "یہ روایتیں اس سے غلط نقل کی گئی ہیں اور اس پر بہتان ہیں۔" جیسا کہ رلذی، نووی، قاضی ابوبکر، باقلانی، ابن عبدالشکور اور ابن مرتضیٰ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (۱۴۴)

باقلانی کہتے ہیں: "یہ روایت شاذ اور من گھڑت ہے"۔ (۱۴۵) ان دو روایتوں کے جعلی ہونے کی دلیل عاصم کی وہ قرائت ہے جسے زر بن حبیش نے عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ جس میں فاتحہ اور معوذتین بھی موجود ہیں۔ اگر وہ انہیں قرآن کا حصہ نہ سمجھتے تو زر بن حبیش کے سامنے اس کی قرائت نہ کرتے اور علماء کے نزدیک اس قرائت کی سند بھی صحیح ہے"۔ (۱۴۷)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن مسعود نے معوذتین کو اپنے قرآن میں لکھنے سے انکار کیا تھا نہ کہ ان کے قرآن ہونے کا۔ کیونکہ انہوں نے حضورؐ کو دیکھا تھا کہ وہ حسنؑ اور حسینؑ کو ان کا تعویذ بنا کر دے رہے ہیں تو وہ سمجھے کہ یہ قرآن نہیں ہیں۔ لیکن بعد میں جب ان کا قرآن ہونا واضح ہو گیا، تواتر مکمل ہو گیا اور اس پر اجماع قائم ہو گیا تو یہ ان پر ایمان لانے والوں میں سب سے آگے تھے۔ چنانچہ انہوں نے زر بن حبیش کے لیے دونوں کی قرائت کی اور عاصم نے انہیں زر سے روایت کیا۔ (۱۴۷)

قرآن کی تدوین

قرآن کو جمع کرنے کے بارے میں موجود تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کام تین مرحلوں میں انجام پذیر ہوا ہے۔

پہلا مرحلہ : حضور اکرمؐ کی موجودگی میں لکھنا اور حفظ کرنا :

چنانچہ اسے ذہن نشین کیا جاتا اور کاغذوں، کھجور کی ٹہنیوں، سفید پتھروں اور مختلف قسم کے پتوں پر لکھ لیا جاتا تھا۔ حاکم نے زید بن ثابت سے روایت کی ہے جس کی سند بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ وہ کہتا ہے: ''حضورؐ کی موجودگی میں ہم قرآن کو کھجور کے پتوں پر لکھ لیا کرتے تھے''۔ (۱۴۸)

دوسرا مرحلہ : حضرت ابوبکر کے زمانے میں :

اس مرحلے میں قرآن کو کھجور کی ٹہنیوں، پتھروں اور لوگوں کے ذہنوں سے جمع کر کے ایک نسخے میں لکھا گیا۔

تیسرا مرحلہ : حضرت عثمان کے زمانے میں :

یہ سورتوں کی ترتیب اور لوگوں کو ایک قرائت پر تیار کرنے کا مرحلہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے کئی نسخے لکھوا کر مختلف شہروں میں بھیجے اور باقی اصحاب کے نسخے جلا دیے۔

قرآن کی تدوین اور تحریف کا مسئلہ

قرآن کو جمع کرنے کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ایک ہے جن کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے گئے ہیں، روایات میں دست درازی کی گئی ہے جس کی بنیاد پر تحریف کے قائل حضرات اپنے نظریے کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد جس طریقے سے قرآن کو جمع کیا گیا ہے، عام طور پر اس کا لازمہ یہ ہے کہ اس میں تحریف واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ جب جمع کرنے والا معصوم نہیں ہوگا تو کچھ چیزوں کا چھوٹ جانا غیر معمولی بات نہیں ہے۔

رافعی کہتا ہے: "اہلِ کلام کا ایک گروہ جس کا کام صرف اندازے لگانا، تاویلیں کرنا اور ہر حکم و نظریہ میں میخ نکالنا ہے، قرآن کو جمع کرنے کی کیفیت کو دیکھ کر کہتا ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ کم ہو گیا ہے"۔(۱۴۹)

تاریخ کے مطابق قرآن کی جمع آوری کے کام کے جنگِ یمامہ کے بعد تک جاری رہنے اور تدوین کی کیفیت بیان کرنے والی روایات کے باہمی اختلاف کی وجہ سے کئی لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ ثوری سے منقول ہے: "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ نبی اکرمؐ کے بعض صحابہ جو قرآن پڑھا کرتے تھے، وہ مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ میں مارے گئے ہیں، پس قرآن کے کچھ حروف ضائع ہو گئے"۔(۱۵۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قرآن کی تدوین ان ناقابل تردید تاریخی حقائق میں سے ہے جو کسی مزید وضاحت اور تفصیلات کی محتاج نہیں ہے۔ یہ ایسی تاریخی دستاویز ہے جو ہر قسم کے شکوک و شبہات اور اس مسئلے کے بارے میں روایات میں کی جانے والی ہر قسم کی دست درازی کو مسترد کرنے کے لیے کافی ہے۔

آنحضورؐ کے زمانے میں تدوینِ قرآن کی دلیلیں

شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن حکیم نبی کریمؐ کے زمانے میں جمع ہو چکا تھا اور آپؐ نے اس وقت تک دنیا کو خیرباد نہیں کہا جب تک اپنے سینے میں محفوظ قرآن کا موازنہ حافظوں کے ذہنوں میں موجود قرآن اور اس وقت موجود مصاحف کے ساتھ نہ کر لیا۔ شیعہ علماء کے نزدیک یہ اظہر من الشمس ہے اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ علمائے اہلسنت کی بھی ایک بڑی تعداد اس مسئلے میں شیعوں کے ساتھ متفق ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے کئی شواہد، دلیلیں اور روایات موجود ہیں جن میں سے بعض کو ہم ذکر کرتے ہیں :

۱۔ حضور اکرمؐ اور صحابہ کا قرآن کے نازل ہوتے ہی اس کو سیکھنے، حفظ کرنے، قرائت اور تلاوت کرنے کا اہتمام کرنا۔ ایک روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: "جو شخص قرآن کو اس حد تک پڑھے کہ اسے ازبر پڑھنے لگے اور حفظ کر لے تو خدا اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے دس ایسے افراد کے بارے میں اس کی سفارش کو قبول کرے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی تھی"۔(۱۵۱)

اس مطلب پر اور قرآن کی تعلیم دینے کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں۔ عبادۃ بن صامت سے روایت ہے: "جب کوئی شخص ہجرت کر کے نبی کریمؐ کے پاس آتا تھا تو وہ اسے ہم میں سے کسی ایسے شخص سے ملا دیتے تھے جو اسے قرآن کی تعلیم دیتا۔ چنانچہ مسجد نبوی میں تلاوت قرآن کا اس قدر شور ہوتا تھا کہ آپؐ انہیں اپنی آواز نیچی رکھنے کا حکم دیتے تاکہ ایک دوسرے کو غلطی میں نہ ڈال

دیں"۔(۱۵۲)

قرآن کے حفظ کے لیے مختلف محرکات کے وجود، رسول اکرمؐ کی جانب سے تشویق دلانے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک حافظِ قرآن کے لیے اجر و ثواب کی امید اور لوگوں کے درمیان عزت و احترام حاصل ہونے کی وجہ سے قرآن کے حافظوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ حضورؐ کے زمانے میں اور اس کے بعد حافظین قرآن کی کثرت کو بیان کرنے کے لیے یہی روایت کافی ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں غزوۂ بئرِ معونہ کے دوران ستر حافظ کام آئے تھے اور آپؐ کی وفات کے بعد یمامہ کی جنگوں کے دوران چار سو یا ایک قول کے مطابق سات سو حافظ قتل ہوئے تھے۔ حافظوں کی کثرت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بھی حافظہ تھی۔ آپؐ اس سے ملنے جایا کرتے اور اسے شہیدہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ آپؐ نے اسے نماز میں گھر والوں کی امامت کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔(۱۵۳)

پورے قرآن کے علاوہ کچھ آیتوں کو حفظ کرنا تو مسلمانوں میں بہت ہی رائج تھا۔ ہر حصے کو حفظ کرنے والوں کی تعداد تواتر تک جا پہنچتی ہے۔ ہر مرد و عورت کو قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور یاد ہوا کرتا تھا۔ وہ لوگ حفظِ قرآن کو اتنی اہمیت دیا کرتے تھے کہ بعض اوقات مسلمان لڑکی ایک یا چند سورتوں کی تعلیم کو اپنا حق مہر قرار دے دیتی تھی۔

۲۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضورؐ کے ساتھ کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے جو آپؐ کی بتائی ہوئی ہر وحی کو فوراً لکھ لیا کرتے تھے اور آپؐ نے انہیں اسی کام کے لیے معین کر رکھا تھا۔ حاکم نے صحیح سند کے ساتھ زید بن ثابت سے روایت کی ہے: "ہم رسول اللہؐ کے پاس قرآن کو کھجور کے پتوں پر لکھا کرتے تھے"۔(۱۵۴)

مورخوں نے وحی لکھنے والے کاتبوں کے نام بھی لکھے ہیں اور بعض نے تو ان کی تعداد بیالیس ذکر کی ہے۔ جیسے ہی آپؐ پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپؐ فوراً اسے لکھوا دیا کرتے تھے۔ براء روایت کرتا ہے: "جب یہ آیت "لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" (نساء۔۹۵) نازل

ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا: زید کو بلاؤ اور اس سے کہنا کہ دوات اور تختی بھی لے آئے۔ جب وہ آئے تو فرمایا: لکھو! "لایستوی ..." (۱۵۵)

آپؐ خود بنفس نفیس لکھنے کے اس کام کی نگرانی کیا کرتے اور اس کی تصحیح فرماتے تھے۔ زید کہتے ہیں: "میں رسولؐ اللہ کے لیے وحی کو لکھا کرتا تھا۔ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ شدید سختی میں ہوتے۔ پس میں کھجور کی ٹہنی کا ٹکڑا یا کوئی ٹوٹی ہوئی چیز لے کر آپؐ کے پاس حاضر ہو جاتا۔ چنانچہ آپؐ مجھے بتاتے اور میں لکھ لیتا تھا۔ فراغت کے بعد آپؐ فرماتے: اے پڑھو! میں اسے پڑھتا۔ اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی ہوتی تو آپؐ اسے درست کرواتے اور پھر میں لوگوں کے پاس چلا جاتا"۔ (۱۵۶)

متفرق طور پر نازل ہونے والی آیات کے بارے میں ابن عباس سے روایت ہے: "جب آنحضرتؐ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپؐ کاتبینِ وحی کو بلا کر انہیں حکم دیتے کہ ان آیات کو اس سورہ میں لکھ دو جس میں فلاں فلاں چیز ہے۔" (۱۵۷) یہ انتہائی دقت اور کمال احتیاط ہے۔

۳۔ متعدد احادیث میں ہے کہ جبرئیل ہر سال ماہِ رمضان میں حضور اکرمؐ کے سامنے قرآن کو پیش کرتے اور وفات والے سال یہ کام دوبار کیا"۔ (۱۵۸) حضور اکرمؐ اپنے سینے میں محفوظ قرآن کو کثیر تعداد میں موجود حافظوں کے سامنے پیش کیا کرتے اور ان میں سے جن کے پاس اپنے قرآنی نسخے تھے، وہ بھی اپنا نسخہ رسول اکرمؐ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ذہبی سے روایت ہے: "سب سے آخر میں زید بن ثابت نے اپنا مصحف پیش کیا"۔ (۱۶۰) جبکہ ابو ظبیان سے ابن عبد البر نے روایت کی ہے: "سب سے آخر میں پیش کیا جانے والا مصحف عبداللہ بن مسعود کا تھا"۔ (۱۶۱)

۴۔ کئی روایات میں آیا ہے کہ صحابہ اول سے لے کر آخر تک قرآن کو ختم کیا کرتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے اس سلسلے میں ان کے لیے کچھ اصول بنا رکھے تھے اور انہیں پورا قرآن پڑھنے پر رغبت دلاتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آپؐ فرماتے ہیں: "قرآن پڑھنے والے کی ہر ختم کے بعد ایک دعا قبول ہوتی ہے"۔ (۱۶۲) ایک اور روایت میں ہے: "جس نے سات دن میں قرآن ختم کیا، اس نے

مقربین کا عمل انجام دیا اور جس نے پانچ دن میں ختم کیا اس نے صدیقین والا کام کیا"۔(۱۶۳)
ایک اور روایت میں آپؑ فرماتے ہیں: "جس شخص نے قرآن کو شروع کرتے وقت فاتحۃ الکتاب کو پالیا گویا اس نے خدا کی راہ میں فتح پائی اور جس نے ختم کرتے وقت خاتمے کو پایا گویا اسے غنائم مل گئے"۔(۱۶۴)

ان سب باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن کریم رسول اکرمؐ کے زمانے میں جمع تھا اور مسلمان اس کی ابتداء اور انتہاء کو بھی جانتے تھے۔ چنانچہ محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ اس نے کہا: "حضور اکرمؐ کی زندگی میں جن لوگوں نے قرآن ختم کیا ان میں عثمان، علی اور عبداللہ بن مسعود شامل ہیں"۔(۱۶۵)

طبرسی کہتے ہیں: "عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب جیسے صحابہ کی ایک جماعت نے کئی مرتبہ حضورؐ کے سامنے قرآن ختم کیا تھا"۔(۱۶۶)

روایت ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو حکم دیا تھا کہ ہر سات یا تین راتوں میں قرآن کو ختم کیا کرے۔ اور وہ ہر رات ختم کیا کرتا تھا۔(۱۶۷) اور آپؐ نے سعد بن منذر کو تین راتوں میں قرآن ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ وہ مرتے دم تک اس پر عمل کرتے رہے۔(۱۶۸)

۵۔ اصحاب نبیؐ قرآن کو صرف حفظ اور تلاوت ہی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ کاغذوں اور صحیفوں میں لکھتے بھی تھے۔ شاید آپ نے حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ پڑھا ہو کہ ایک قریشی نے ان سے کہا: تیری بہن تیرے دین سے نکل گئی ہے۔ چنانچہ وہ بہن کے گھر آئے اور اسے ایسا تھپڑ رسید کیا کہ چہرہ لہولہان ہو گیا۔ جب کچھ غصہ ٹھنڈا ہوا تو دیکھا کہ گھر کے ایک کونے میں ایک صحیفہ رکھا ہوا ہے جس پر لکھا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سبح للہ ما فی السمٰوات و الارض و ھو العزیز الحکیم ...(حدید۔۱) پھر انہیں ایک اور صحیفہ ملا جس پر لکھا ہوا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ.... (طٰہٰ۔۱) چنانچہ جب انہوں نے اپنے تئیں ایسے کلام کے روبرو پایا جو کسی بشر کا نہیں ہو سکتا تو اسلام لے آئے"۔

۱۶۹)اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ صحابہ کو قرآن لکھواتے اور وہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اور یہ لکھا ہوا قرآن لوگ ایک دوسرے کو بھی دیا کرتے تھے۔

۶۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بعض اصحاب نے قرآن کو جمع کیا تھا۔ عبداللہ بن عمر اور انس بن مالک کی روایت کے مطابق ان کی تعداد چار ہے۔ (۱۷۰) محمد بن کعب قرظی کی روایت کے مطابق پانچ (۱۷۱) اور شعبی کی روایت کے مطابق چھ (۱۷۲) ہے۔ جبکہ ابن حبیب نے اپنی کتاب المحبر میں ان کی تعداد چھ لکھی ہے۔ (۱۷۳) اور ابن ندیم نے تعداد سات لکھی ہے۔ (۱۷۴) یہاں پر جمع کرنے سے مراد حفظ کرنا نہیں ہے کیونکہ آپؐ کے زمانے میں تو حافظ بے شمار تھے نہ کہ چار سے سات تک کی تعداد میں۔ جیسا کہ پہلی دلیل میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اب ہم حضور اکرمؐ کے زمانے میں قرآن جمع کرنے والوں کے ناموں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جو اس سلسلے میں وارد ہونے والی تمام روایات سے حاصل کی گئی ہے:

۱۔ ابی بن کعب ۲۔ ابو ایوب انصاری ۳۔ تمیم الداری ۴۔ ابو الدرداء ۵۔ ابو زید ثابت بن زید بن نعمان ۶۔ زید بن ثابت ۷۔ ابو حذیفہ کے غلام سالم ۸۔ سعید بن عبید بن نعمان۔ اور الفہرست میں یہ نام ہیں: ۹۔ عبادۃ بن الصامت ۱۰۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص ۱۱۔ عبداللہ بن مسعود ۱۲۔ عبید بن معاویہ بن زید ۱۳۔ عثمان بن عفان ۱۴۔ علی ابن ابیطالب ۱۵۔ قیس بن سکن ۱۶۔ قیس بن صعصعۃ بن زید انصاری ۱۷۔ مجمع بن جاریہ ۱۸۔ معاذ بن جبل بن اوس ۱۹۔ ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث۔ ان میں سے بعض کے مصحف مشہور تھے۔ جیسے حضرت علیؑ اور عبداللہ بن مسعود۔

۷۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں قرآن کے لیے لفظ "کتاب" آیا ہے۔ جبکہ ذہن نشین کلام کو کتاب نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ کتاب کو مکتوب اور جمع شدہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح حدیثِ نبوی میں آیا ہے: "میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور عترت"۔ (۱۷۵) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ نے قرآن کو سطور میں لکھا ہوا کتابی صورت میں چھوڑا

ہے۔

متعدد احادیث بتاتی ہیں کہ حضور اکرمؐ کے زمانے میں صحابہ کے پاس ناقص یا مکمل مصاحف موجود تھے جنہیں وہ پڑھا کرتے اور ایک دوسرے کو دیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں کچھ احکام بھی معین فرمائے تھے۔ مثلاً

اوس ثقفی سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "بغیر مصحف کے تلاوت کرنے کا ثواب ایک ہزار درجے ہے اور مصحف سے تلاوت اس میں دو ہزار درجے کا اور اضافہ کر دیتی ہے۔ (۱۷۶)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "مصحف میں دیکھنا عبادت ہے"۔ (۱۷۷)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مصحف میں ہمیشہ دیکھتے رہا کرو"۔ (۱۷۸)

ابو سعید حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "عبادت میں آنکھوں کو بھی ان کا حصہ دے دو۔ عرض کیا: آنکھ کا حصہ کیا ہے؟ فرمایا: مصحف میں دیکھنا، اس میں غور و فکر کرنا، اور اس کے عجائبات سے عبرت حاصل کرنا"۔ (۱۷۹) نیز فرمایا: "میری امت کی بہترین عبادت دیکھ کر قرآن پڑھنا ہے"۔ (۱۸۰) ایک بار فرمایا: "جو شخص دیکھ کے قرآن پڑھے وہ مرتے دم تک اپنی بصارت سے فائدہ اٹھائے گا"۔ (۱۸۱)

یہ تمام روایات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ قرآن کے لیے مصحف کا لفظ حضورؐ کے بعد استعمال نہیں ہوا بلکہ آپؐ کے زمانے میں ہی قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر لیا گیا تھا۔ جیسا کہ بعض روایات میں صراحت کے ساتھ مصحف کا لفظ آیا ہے۔

مزید برآں خود آنحضرتؐ کے پاس بھی ایک مصحف تھا۔ چنانچہ عثمان بن ابو العاص کی حدیث کے مطابق جب ثقیف کا وفد نبی اکرمؐ کی خدمت میں آیا تو میں حضورؐ کے پاس گیا اور ان سے خود ان کا مصحف مانگا تو حضورؐ نے انہیں دے دیا۔ (۱۸۲) بلکہ حضورؐ نے اپنے گھر میں بھی بستر کے پیچھے ایک مصحف چھوڑا تھا جو کھجور کی ٹہنیوں اور ریشم میں لکھا ہوا تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا تھا کہ اسے لے لیں اور جمع کر لیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: "میں نے قسم اٹھائی ہے کہ

میں سوائے نماز کے اس وقت تک عبا نہیں اوڑھوں گا جب تک قرآن کو جمع نہ کرلوں"۔(۱۸۳)

چنانچہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اسے اس طرح سے جمع کیا تھا کہ وہ تنزیل اور تاویل پر مشتمل تھا اور اسکی ترتیب بھی نزولی تھی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

ان قطعی دلیلوں اور مستحکم براہین سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ کے زمانے میں قرآن صرف ذہن نشیں نہیں تھا بلکہ سطروں میں لکھا ہوا تھا جس کی ابتداء اور انتہاء معلوم اور معین تھی۔ آپؐ خود اپنی نگرانی میں ہر حصے کو اس جگہ پر لکھواتے تھے کہ جہاں اسے ہونا چاہیے تھا۔

بنابریں کس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے ابتدائی دور تک قرآن جمع نہیں ہوا تھا اور دو شاہدوں کی ایسی گواہی کی ضرورت ہوتی تھی کہ انہوں نے اس آیت کو رسول اکرمؐ سے سنا ہے۔

قرآن کی تدوین اور شیخین کا زمانہ

ان دو حضرات کے زمانے میں تدوین قرآن کے بارے میں دستیاب روایتوں میں اس قدر اختلاف ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کو جھٹلا رہی ہوں۔ ہم ان میں سے بعض کو ذکر کریں گے تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ روایتیں کس قدر ان دلیلوں کے بر خلاف ہیں جو ہم نے ابھی ذکر کی ہیں۔

۱۔ زید بن ثابت سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: "حضرت ابوبکر نے مجھے اہل یمامہ کی قتل گاہ میں بلوایا۔ جب میں پہنچا تو حضرت عمر بھی وہیں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے کہا: عمر میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے قاری مسلسل قتل ہو رہے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ اسی طرح قتل ہوتے رہے تو کہیں قرآن کا بڑا حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کی تدوین کا حکم دے دیں۔ میں نے ان سے کہا: تم وہ کام کیونکر کرو گے جو رسولؐ نے نہیں کیا؟ تو انہوں نے کہا: خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے۔ یہ مسلسل میرے پاس آتے رہے یہاں تک کہ خدا نے اس بات کے لیے میرے سینے کو کشادہ کر دیا۔ اور اب میری بھی وہی رائے ہے جو حضرت عمر کی تھی۔" زید کہتے ہیں: "پھر حضرت ابوبکر نے کہا: تم ایک سمجھ دار جوان ہو، تم پر کوئی الزام بھی نہیں ہے اور تم حضورؐ کے پاس کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔ اس لیے قرآن کے بارے میں جستجو کر کے اسے جمع کر دو"۔ زید کہتے ہیں: "خدا کی قسم! اگر کسی پہاڑ کو ہٹانے کا حکم دیا ہوتا تو میرے لیے اس قدر بوجھل نہ ہوتا، جتنا قرآن کو جمع کرنے کا کام تھا"۔ میں نے کہا: "تم ایسا کام کیونکر انجام دے سکتے ہو جو خود حضور نبی کریمؐ نے نہیں کیا؟" حضرت ابوبکر نے جواب دیا: "قسم خدا یہ ایک اچھا

ہے"۔ پھر حضرت ابوبکر مسلسل مجھ سے کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرے سینے کو کھول دیا کہ جس کے لیے حضرات ابوبکر اور عمر کے سینوں کو کھول دیا تھا۔ چنانچہ میں کھجور کی ٹہنیوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے حافظوں سے قرآن کو تلاش کر کے جمع کرتا رہا۔ مجھے سورۂ توبہ کا آخری حصہ صرف ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملا۔ پھر یہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس تھے اور ان کے مرنے کے بعد حضرت عمر کے پاس اور ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ کے پاس"۔(۱۸۴)

۲۔ زید بن ثابت ہی سے روایت ہے: "جب رسول اللہ کی روح قبض ہوئی، اس وقت تک قرآن کسی چیز میں جمع نہیں ہوا تھا۔"(۱۸۵)

۳۔ ایک اور روایت میں ہے: "سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے مصحف کو جمع اور مرتب کرنے کے بعد اسے مصحف کا نام دیا (اور ایک روایت کے مطابق ابو حذیفہ کے غلام سالم نے یہ نام دیا تھا۔(۱۸۶)) اور اس وقت تک قرآن کھجور کی ٹہنیوں اور مختلف اوراق میں بٹا ہوا تھا۔ پس اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کے لیے کوئی نام تلاش کرنے کو کہا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا نام انجیل رکھ دو۔ لیکن لوگوں نے اسے پسند نہیں کیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ سفر رکھ دو۔ لیکن یہودیوں کی وجہ سے اسے بھی ناپسند کیا گیا۔ پھر عبد اللہ بن مسعود نے کہا: میں نے حبشہ میں ایک کتاب دیکھی تھی جسے وہ مصحف کہا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کا نام بھی مصحف رکھ دیا گیا۔"(۱۸۷)

۴۔ محمد بن سیرین سے روایت ہے: "جب حضرت عمر کا قتل ہوا تو قرآن جمع نہیں ہوا تھا"۔ (۱۸۸)

۵۔ حسن سے روایت ہے: "عمر بن خطاب نے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا تو کسی نے کہا کہ فلاں کے پاس تھی جو جنگ یمامہ میں مارا گیا۔ حضرت عمر نے انا للہ پڑھی پھر حکم دیا کہ قرآن کو جمع کر دیا جائے۔ پس حضرت عمر وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قرآن کو مصحف میں جمع کیا"۔ (۱۸۹)

یہ اس سلسلے میں وارد ہونے والی چند روایات تھیں اور آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تحریف کا شبہ جسے ہم قرآن کی تدوین کی بحث کے آغاز میں ذکر کر چکے ہیں، ایسی ہی روایات کی صحت پر موقوف ہے جو جمع قرآن کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جبکہ ان میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ محمد ابو زہرہ نے اعتراف کیا ہے کہ ان میں سے بعض روایات میں دست درازی کی گئی ہے۔ چنانچہ ان روایات کا مطالعہ کرنے والا ان میں مندرجہ ذیل کمزوریوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے:

ا۔ یہ روایات ایک دوسرے کے ساتھ متضاد ہیں۔ چنانچہ ان میں کچھ تو پوری صراحت کے ساتھ کہتی ہیں کہ قرآن حضرت ابو بکر کے زمانے میں ایک مصحف میں جمع ہوا تھا جسے زید نے لکھا تھا اور سورۂ توبہ کا آخری حصہ صرف خزیمہ بن ثابت کے پاس تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر نے کہا اسے لکھ لو کیونکہ رسول اللہ نے اس اکیلے کی گواہی کو دو مردوں کے برابر قرار دیا تھا۔ (۱۹۰) جبکہ کچھ دوسری روایات کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ قرآن حضرت عمر کے زمانے میں جمع کیا گیا اور خزیمہ بن ثابت ایک نہیں بلکہ دو آیتیں لائے تھے اور حضرت عثمان ان کے گواہ تھے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک انصاری حضرت عمر کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا: "میں کبھی تجھ سے گواہ نہیں مانگوں گا کیونکہ حضورؐ بھی یہی کیا کرتے تھے۔" (۱۹۱)

ایک روایت کے مطابق خزیمہ سے زید نے کہا: "تیرے ساتھ گواہ کون ہے؟" خزیمہ نے جواب دیا: "خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم۔" تو حضرت عمر نے کہا: "میں اس کی گواہی دیتا ہوں"۔ (۱۹۲) جبکہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تدوینِ قرآن کا کام حضرت عثمان کے دور میں ہوا۔

حضرت ابو بکر کے زمانے میں قرآن جمع کرنے کی ذمہ داری کس کی تھی، اس بارے میں بھی روایات میں اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے۔ کسی میں زید بن ثابت کو ذمہ دار بتایا گیا ہے تو کسی میں خود ابو بکر کو تدوینِ قرآن کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور زید کو صرف جمع شدہ کتابوں کو دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ کچھ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید اور حضرت عمر نے مل کر یہ کام

کیا تھا۔ جبکہ بعض روایات کے مطابق نافع بن ظریب نے حضرت عمر کے لیے مصاحف لکھے تھے۔(۱۹۳)

۲۔ تیسری روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مصحف کا لفظ حضرت ابوبکر کے زمانے میں پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ حضورؐ کے زمانے میں بھی موجود تھا اور رسالت کے آغاز ہی سے یہ کلمہ اسی معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ دوسری جانب اس روایت کے مطابق مصحف کا لفظ حبش سے آیا تھا جبکہ یہ عربی زبان کا اپنا لفظ ہے اور حبشہ کی زبان عربی نہیں ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لوگ اللہ کی کتاب کا نام رکھنے میں اس قدر پریشان کیوں تھے جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن، فرقان اور کتاب کا نام دیا ہے۔

۳۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ روایات زور دے کر کہہ رہی ہیں کہ قرآن حضورؐ کی وفات کے بعد جمع ہوا ہے جبکہ ہم پہلے ہی اس کو رد کر چکے ہیں۔ کیونکہ قرآن آنحضرتؐ ہی کے زمانے میں جمع ہو چکا تھا جسے پڑھا جاتا تھا، ختم کیا جاتا تھا، اس کے مخصوص لکھنے والے تھے جو آپؐ کی موجودگی میں قرآن کو لکھتے تھے اور آپؐ خود ان کے کاموں کی نگرانی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اصحاب کے پاس ایسے کئی مصاحف تھے جن میں ان کی اپنی چیزیں لکھی ہوئی تھیں اور وہ اسے مسلسل حضورؐ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ کئی اصحاب نے تو رسولؐ اللہ کی زندگی میں ہی قرآن کو جمع کر لیا تھا۔

۴۔ یہ روایات تمام مسلمانوں کے اس اجماع کے بر خلاف ہیں جس کے مطابق قرآن کے ثابت ہونے کا واحد راستہ "تواتر" ہے۔ جبکہ ان روایات کے مطابق قرآن کی بعض آیتیں ایک یا دو افراد کے کہنے سے لکھ لی گئی ہیں۔ یعنی قرآن خبر واحد کے ساتھ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس خطرناک دعوے کے باطل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ قرآن کے تواتر کے ساتھ ثابت ہونے کا یقین، ان روایات کے جھوٹا ہونے کا سبب بنتا ہے۔ لہذا انہیں ترک کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ قرآن تواتر کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ بنابریں یہ روایات باطل ہیں۔

اگر ہم ان روایات کو صحیح مان لیں تو پھر اس میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ زید بن ثابت نے یہ قرآن عام مسلمانوں کے بجائے صرف خلیفہ کے لیے جمع کیا تھا جن کے پاس پورا قرآن نہیں تھا۔ کیونکہ جن صحابہ کے پاس مصاحف تھے انہوں نے انہیں محفوظ کر لیا تھا جبکہ ان کی ترتیب زید کے جمع کردہ قرآن سے مختلف تھی اور مختلف شہروں کے لوگ اسی کو پڑھا کرتے تھے۔ اگر وہ مصحف عام مسلمانوں کے لیے تھا تو حضرت ابو بکر نے حضرت زید اور حضرت عمر کو اسے کھجور کی ٹہنیوں، پتھروں اور لوگوں کے ذہنوں سے لینے کے لیے کیوں حکم دیا؟ حالانکہ وہ چاہتے تو پورا قرآن عبداللہ بن مسعود سے لے سکتے تھے جو مسجد کوفہ میں اسے زبانی لکھا کرتا تھا اور جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا: "اگر قرآن کو اسی طرح تر و تازہ لینا چاہو جیسے وہ نازل ہوا تھا تو اسے ام عبد کے بیٹے یعنی عبداللہ بن مسعود سے لے لیا کرو"۔ (۱۹۴) ایک اور روایت کے مطابق جب حضرت عثمان کے دور میں عبداللہ بن مسعود سے مصحف مانگا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے ستر سورتیں لی ہیں جبکہ زید بن ثابت جو آج رہنما بنا بیٹھا ہے، بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ (۱۹۵)

نیز حضرت ابو بکر کے لیے ممکن تھا کہ حضرت علیؑ سے پورا قرآن لے لیتے کہ جو آپؐ نے انہیں ودیعت کیا تھا اور اپنی وفات کے بعد قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ آپؐ جمع کر کے لوگوں کے پاس لائے بھی تھے لیکن لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ (۱۹۶) آپؑ کے پاس آنحضرتؐ کی لکھوائی ہوئی ہر آیت تھی جسے آپؑ نے اپنے دستِ مبارک سے لکھا تھا۔ ابو عبدالرحمن سلمی سے روایت ہے: "میں نے کسی ماں کا بیٹا نہیں دیکھا جو علیؑ سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو۔" (۱۹۷)

وہ قرآن کو ابی بن کعب سے بھی لے سکتے تھے جس کے بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے: "سب سے بڑا قاری ابی بن کعب ہے۔" یا فرمایا تھا: "میری امت کا سب سے بڑا قاری ابی بن کعب ہے۔" (۱۹۸) یا ان چار افراد سے قرآن لیا جا سکتا تھا جن سے خود حضورؐ نے قرآن لینے کا حکم دیا تھا جو کہ عبداللہ بن مسعود، ابو حذیفہ کے غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل ہیں۔" (۱۹۹) یہ لوگ

قرآن کو جمع کرتے وقت زندہ بھی تھے۔

یہ قرآن ابن عباس سے بھی لیا جا سکتا تھا جو امت کے سب سے بڑے عالم اور قرآن کے ترجمان تھے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ قرآن کو مصحف کی صورت میں حضرت ابو بکر نے ہی اپنی خلافت کے دور میں جمع کیا تھا تو بھی جمع قرآن کی جو کیفیت روایات میں بیان کی گئی ہے کہ قرآن دو شاہدوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے، وہ جھوٹ ہے، کیونکہ قرآن کا جمع ہونا مسلمانوں کے درمیان تواتر کے ساتھ تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمع کرنے والے نے مصحف میں ان آیات کو لکھا جو تواتر کے ساتھ سینوں میں محفوظ تھیں۔

عثمانی دورِ حکومت میں تدوینِ قرآن

بخاری نے انس سے روایت کی ہے: "حذیفہ بن یمان جو کہ ارمینیہ اور آذربائیجان کی فتح میں شام اور عراق والوں کے ہمراہ جنگ میں شریک رہے تھے اور قرائت میں ان کے اختلاف کو قریب سے دیکھا تھا، حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا: "امت کی مدد کرو قبل اس کے کہ ان کے درمیان بھی یہود و نصاریٰ جیسے اختلافات پیدا ہو جائیں۔ پس انہوں نے حفصہ کے پاس پیغام بھیجا: "آپ لکھے ہوئے اوراق ہمیں بھیج دیجیے جو ہم دوسرے نسخے بنانے کے بعد آپ کو واپس بھجوا دیں گے"۔ چنانچہ حفصہ نے وہ صحیفے حضرت عثمان کے پاس بھیج دیے جنہوں نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو مامور کیا اور انہوں نے اس کے مزید نسخے بنا لیے۔ حضرت عثمان نے تین قریشی خاندانوں سے کہا تھا کہ اگر قرآن کے بارے میں زید بن ثابت کے ساتھ ان کا کوئی اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان میں لکھوا لینا کیونکہ قرآن ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عثمان نے اوراق کو مصاحف میں لکھ لینے کے بعد جناب حفصہ کو بھجوا دیے اور نئے نسخے تمام مقامات پر بھیجنے کے بعد حکم دیا کہ اور کسی بھی مصحف یا ورق میں موجود قرآن کو جلا دیا جائے۔ زید بن ثابت کہتے ہیں: "جب ہم نسخہ لکھ رہے تھے تو سورۂ احزاب کی آیت جو میں نے رسولؐ اللہ سے سنی تھی، مجھے نہیں مل رہی تھی۔ جب ہم نے تلاش کیا تو خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس ملی۔ "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه" (احزاب۔ ۲۳) جسے ہم نے مصحف میں اس کی سورت میں لکھ دیا۔ (۲۰۰)

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف صورتوں میں نقل ہوئی ہے اور ان سب پر درج ذیل اعتراضات ہیں:

۱۔ سورۂ احزاب کی آیت کیونکر نہیں مل رہی تھی جبکہ قرآن کے نسخے صرف حضرت حفصہ کے صحیفوں سے لکھے جا رہے تھے اور دونوں زمانوں میں لکھنے والے زید بن ثابت ہی تھے؟ اصلی نسخہ مکمل تھا اور اس میں صرف سورۂ توبہ کا آخری حصہ نہیں تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ تو کیا پہلے جمع کیے ہوئے قرآن میں سورۂ احزاب کی یہ آیت بھی نہیں تھی؟ یا انہیں حفصہ کے نسخے پر اعتماد نہیں تھا؟ کیا ایک شخص کے علاوہ کسی اور کے مصحف میں یا کسی حافظ کے ذہن میں یہ آیت نہیں تھی؟ یہ اور اس قسم کی دوسری روایتوں سے ان لوگوں کے لیے شکوک و شبہات کا راستہ کھل جاتا ہے جو تحریف کے نظریے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ جبکہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ان کی دلیلیں کمزور، متضاد اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا یہ محض اتفاق تھا کہ حضرت ابوبکر کے زمانے میں کوئی آیت نہیں ملی تو وہ خزیمہ کے پاس سے ملی اور جب عثمان کے دور میں ایک آیت کم ہوئی تو وہ بھی ان ہی کے پاس پائی گئی۔ تو کیا خزیمہ بن ثابت قرآن جمع کرنے والوں میں سے تھے؟ یا ان لوگوں میں شامل تھے جن سے قرآن لینے کے لیے رسول اللہ نے خود حکم دیا تھا؟

۲۔ یہ اور اس جیسی روایتوں میں عثمان کے لیے قرآن لکھوانے والے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض میں ہے کہ حضرت عثمان نے زید، ابن زبیر، سعید اور عبدالرحمن کو مقرر کیا تھا، چند دوسری روایات میں ہے کہ لکھنے کے لیے زید اور لکھوانے کے لیے سعید کو معین کیا گیا تھا جبکہ کچھ دوسری روایات کے مطابق لکھوانے والے ابی بن کعب تھے اور سعید، زید کے لکھے ہوئے کی تصحیح کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ لکھنے کے لیے قبیلۂ ثقیف کے ایک شخص کو اور لکھوانے کے لیے قبیلۂ ہذیل کے ایک فرد کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جبکہ مجاہد سے روایت ہے کہ لکھوانے والے ابی بن کعب، کاتب زید بن ثابت اور تصحیح کرنے والے سعید اور عبدالرحمن بن حارث تھے۔ (۲۰۱)

۳۔ ایک اور اعتراض جو ان تمام روایات پر ہے وہ یہ کہ زید بن ثابت نے آیت کی گواہی کے لیے ایک شخص پر اعتماد کیا جو کہ غلط ہے، کیونکہ یہ تواترِ قرآن کے خلاف ہے کہ جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

ہم اس بات میں شک پیدا نہیں کرنا چاہتے کہ حضرت عثمان نے قرآن کے نسخے مختلف مقامات پر بھجوائے تھے اور یہ وہی قرآن تھا جو آج بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں بطور متواتر موجود ہے۔ ہم صرف قرآن کو جمع کرنے کی اس کیفیت کا انکار کرتے ہیں جو ان روایات میں بیان کی گئی ہے کیونکہ یہ تواتر کے یقین کو مشکوک بنا سکتی ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ قرآن کریم، حضور اکرمؐ ہی کے زمانے میں جمع ہو کر لکھا جا چکا تھا اور حضرت عثمان نے صرف یہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک قرائت پر جمع کر لیا۔ یہ وہی قرائت تھی جو لوگوں کے درمیان رائج اور حضورؐ سے تواتر کے ساتھ نقل ہوئی تھی۔ حضرت عثمان نے لوگوں کو ان قرائتوں سے روک دیا تھا جو کچھ دوسری عرب لغات کے مطابق تھیں۔ انہوں نے متواتر قرائت کے برخلاف تمام نسخوں کو جلا ڈالا تھا اور دوسرے شہروں میں بھی ان کو جلا دینے کا حکم بھیج دیا تھا اور مسلمانوں کو قرائت میں اختلاف کرنے سے روک دیا تھا۔

حارث محاسبی کہتا ہے: "لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ قرآن کو جمع کرنے والے حضرت عثمان ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ انہوں نے صرف لوگوں کو ایک قرائت پر آمادہ کیا تھا۔ کیونکہ جب عراقیوں اور شامیوں کے درمیان قرائتوں کے حروف کے درمیان اختلافات پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا تھا تو حضرت عثمان نے بعض مہاجرین وانصار کی موجودگی میں یہی طے کیا تھا۔ (۲۰۲)

کسی مسلمان نے آج تک حضرت عثمان پر اس وجہ سے تنقید نہیں کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو ایک قرائت پر جمع کیا تھا۔ کیونکہ قرائتوں میں اختلاف سے مسلمانوں کے درمیان اختلافات شروع ہو جاتے جس کے نتائج بہت بھیانک نکلتے، مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جاتا، ان میں گروہ بندی اور پراگندگی پیدا ہو جاتی اور وہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوی لگانا شروع کر دیتے۔ البتہ اگر تنقید ہوئی ہے تو وہ صرف دوسرے نسخوں کو جلانے پر ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ان

کا نام "حراق المصاحف" (قرآن کو جلانے والا) رکھ دیا تھا اور ابن مسعود وغیرہ نے پوری کوشش کی تھی کہ اپنے قرآن حضرت عثمان کے حوالے نہ کریں۔

اہلسنت کی کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ حضرت علیؑ نے بھی ایک قرائت پر جمع کرنے کے کام میں حضرت عثمان کی مدد کی تھی۔ چنانچہ ابن ابی داؤد "المصاحف" میں سوید بن غفلۃ سے روایت کرتا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: "عثمان کے بارے میں صرف اچھی بات کہو۔ خدا کی قسم! عثمان نے مصاحف کے سلسلے میں جو کچھ کیا ہے وہ ہماری مدد سے کیا ہے۔ اس نے ہم سے پوچھا تھا: آپ لوگ اس قرائت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ میری قرائت تمہاری قرائت سے بہتر ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ کفر ہو۔ ہم نے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ جواب دیا: میرا ارادہ تو یہ ہے کہ لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا جائے تاکہ کوئی اختلاف، کوئی انتشار نہ رہے۔ ہم نے کہا: تمہارا ارادہ نیک ہے۔" (۲۰۳)

ایک روایت کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "اگر میں خلیفہ ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی کرتا جو عثمان نے کیا۔" (۲۰۴)

امیر المومنین علیؑ اور دوسرے صحابۂ کرام کی تائید کی وجہ سے حضرت عثمان کے بھیجے ہوئے نسخوں کے لیے بتدریج فضا ہموار ہونا شروع ہو گئی۔ چنانچہ یہ اپنے شایان شان مقام پر پہنچے اور دلوں پر غالب ہو گئے اور دوسرے مصاحف جو ترتیب میں اس سے مختلف تھے یا ان میں تاویل، تفسیر، احادیث یا دعائیں لکھی ہوئی تھیں، وہ رفتہ رفتہ ختم ہوتے گئے یا آگ کا لقمہ بنتے چلے گئے اور قرآن عزیز ہر قسم کی تحریف کے شبہہ سے محفوظ ہو گیا۔

سخنِ آخر

گذشتہ بحث کے دوران واضح ہو گیا کہ اسلام کو زک پہنچانے کی تاک میں بیٹھنے والوں کے تحریفِ قرآن کے بارے میں تمام اوہام و خیالات نقش بر آب ثابت ہوئے۔ کیونکہ اس کتاب عزیز کے نہ آگے سے باطل آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے اور اس کی حفاظت کا بیڑا خود خدا نے اٹھایا ہے۔ بد اندیشوں کے تمام مکر و فریب ہماری مستحکم دلیلوں کے طوفان کے سامنے راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئے اور ہم نے ثابت کر دیا کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی اور یہ ہر قسم کے شک و ریب سے بالاتر ہو کر باقی رہا ہے اور انشاء اللہ باقی رہے گا۔

آپ نے دیکھا کہ شیعہ اور سنی علماء نے عام طور پر روایاتِ تحریف کو مسترد کیا ہے۔ کیونکہ ان کا شمار خبرِ واحد میں ہوتا ہے کہ جس پر عقائد کے معاملے میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کے لیے یقینی دلائل اور مستحکم براہین کی ضرورت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں ان روایات میں مضمون کی دلالت، روایت کی اسناد اور راویوں کے مقاصد کے اعتبار سے اور بھی کمزوریاں موجود تھیں۔

اب ہم عالمِ اسلام کے بعض علماء کے اقوال پیش کرتے ہیں، جو اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ تمام مسلمان قرآن میں تحریف نہ ہونے پر متفق ہیں۔ یہ اقوال خود غرض اور کینہ پرور دشمنِ اسلام کی مکاریوں اور سادہ لوح افراد کی غفلتوں کا مؤثر علاج ہیں۔

۱۔ جامعہ ازہر میں شریعت کالج کے پرنسپل شیخ محمد مدنی کہتے ہیں: "رہی یہ بات کہ شیعہ قرآن کو ناقص سمجھتے ہیں تو پناہ خدا! ایسی روایات صرف ان کی کتابوں میں ہیں جیسا کہ ہماری کتابوں میں بھی ہیں اور طرفین کے محققوں نے ان کو باطل قرار دیتے ہوئے ان کا انکار کیا ہے۔ شیعہ امامیہ یا زیدیہ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ اہلسنت میں بھی نہیں ہے۔

مزید اطمینان کے لیے اہلسنت کے عالم سیوطی کی "الاتقان" ملاحظہ ہو کہ جس میں ایسی روایات موجود ہیں۔ کیا صرف اس وجہ سے کہ اہلسنت کے فلاں راوی نے یہ روایت کی ہے یا ان کی فلاں کتاب میں یہ روایت موجود ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہلسنت قرآن کے تقدس کو پامال کرتے ہیں یا وہ اسے ناقص سمجھتے ہیں۔"(۲۰۵)

۲۔ امام اور محقق رحمت اللہ ہندی کہتے ہیں: "فرقۂ امامیہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو قرآن حضورؐ پر نازل ہوا تھا وہ یہی ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس سے زیادہ نہیں تھا اور یہ کہ یہ آپؐ کے زمانے میں جمع ہو چکا تھا اور اسے ہزاروں صحابہ نے حفظ اور نقل کیا ہے۔"(۲۰۶)

۳۔ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی کہتے ہیں: "اگر ہم مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک مسلم ممالک کو کھنگال ڈالیں تو بھی بغیر کمی یا زیادتی کے ہمیں ایک ہی قرآن ملے گا۔ اگرچہ مسلمان مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور صرف قرآن ہی نے ان کی صفوں کو متحد کر رکھا ہے کہ جس میں امتِ مسلمہ کے دو افراد کے درمیان بھی اختلافِ رائے نہیں ہے۔"(۲۰۷)

۴۔ سید علی میلانی لکھتے ہیں: "قرآن کے بارے میں اہلسنت کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ اس میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔ وہ اپنی تفسیروں اور علومِ قرآن پر مشتمل کتابوں میں اسی کا اظہار کرتے ہیں۔"(۲۰۹)

۵۔ سید جعفر مرتضیٰ عاملی فرماتے ہیں: "قرآن کو تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے اہلسنت نے ناقابلِ فراموش کاوشیں کی ہیں اور روایاتِ تحریف کو انہوں نے مختلف طریقوں سے حل کرنے کی کوششیں کی ہیں۔"(۲۱۰)

اس کے علاوہ دوسرے محققوں کے اقوال بھی ہیں کہ جن کو ذکر کرنے سے کتاب کا حجم بڑھ جائے گا۔ یہ تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ جس طرح سے اس مسئلے میں علماء کے درمیان اتحاد ہے، کسی اور مسئلے میں نہیں ہے۔ کیونکہ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ و لامن خلفہ تنزیل من حکیم حمید و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

تحریف کے معنی

۱۔ الکشاف۔ ۳/ ۱٤٦

۲۔ التبیان۔ ۱/ ۲٤۔ الاتقان، ٤/ ۲۱۰

۳۔ التبیان۔ ۱/ ٤

٤۔ المائدہ۔ ٥/ ٦

٥۔ تحریف کی دوسری قسمیں بھی ہیں کہ جن کا تعلق انہی اقسام سے ہے جنہیں ہم نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت اللہ خوئی کی تفسیر البیان ۲۱۵

قرآن میں عدم تحریف کے دلائل

٦۔ تاریخ القرآن للصغیر۔ ۹٤ نقل از کتاب المدخل لمحمد عبد اللہ دراز۔ ۳۹، ٤۰

۷۔ تاریخ القرآن للصغیر۔ ۹۳

۸۔ القرآن نزولہ، تدوینہ، ترجمتہ و تاثیرہ لبلاشیر۔ ۳۷

۹۔ مجمع البیان۔ ۱۰/ ٦۰۰

۱۰۔ یہ حدیث بہت مشہور اور متواتر ہے جسے حدیث کے حافظوں اور محدثوں نے تیس صحابیوں سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن قیسرانی (۴۴۸ھ ۔ ۵۰۷ھ) نے اس حدیث کی اسناد کے بارے میں علیحدہ کتاب لکھی ہے اور سید علی میلانی نے اپنی کتاب نفحات الازہار فی خلاصۃ عبقات الانوار فی امامۃ الائمۃ الاطہار کی تین جلدوں میں اس حدیث کی سند اور دلالت کے بارے میں بحث کی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو مکتبہ عربیہ میں سید عبد العزیز طباطبائی کی کتاب اہل البیت۔

۱۱۔ الکافی۔ ۱:۶۹/ ٥

۱۲۔ الوسائل۔ ۲۷:۱۱۸/ ۳۳۳٦۲، تحقیق مؤسسہ آل البیت

۱۳۔ اسے شرح وافیہ میں سید محسن بغدادی نے محقق کرکی سے نقل کیا ہے۔ البرہان للمیرزا مہدی البروجردی۔ ۱۱٦، ۱۱۷

۱٤۔ آلاء الرحمن۔ ۱/ ۲۹

۱٥۔ البیان فی تفسیر القرآن۔ ۲۳٤

۱٦۔ کشف الغطاء۔ ۲۹۸

۱۷۔ اجوبۃ المسائل المہناویۃ۔ ۱۲۱

۱۸۔ الدر المنثور۔ ٤/ ۱۷۹

١٩ ۔ تفسیر الطبری ۔ ١١/٧٠، الدر المنثور ۔ ٤/٢٦٨

٢٠ ۔ نہج البلاغۃ صبحی صالح خطبہ ١٥

٢١ ۔ الاعتقادات ۔ ٩٣

٢٢ ۔ اوائل المقالات ۔ ٥٥

٢٣ ۔ امام صادق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "جیسے سکھایا گیا ہے ایسے پڑھو۔۔۔" نیز فرمایا: "جیسے لوگ پڑھتے ہیں ایسے پڑھو۔۔۔"

٢٤ ۔ المسائل الروية ۔ ٨٣ استاد صائب المجید کی تحقیق۔

٢٥ ۔ مجمع البیان ۔ ١/٨٣

٢٦ ۔ الفصل فی الملل و النحل ۔ ٤/١٨٢

٢٧ ۔ التبیان ۔ ١/٣

٢٨ ۔ مجمع البیان ۔ ١/٨٣

٢٩ ۔ اجوبۃ المسائل المهناوية ۔ ١٢١

٣٠ ۔ آلاء الرحمن ۔ ١/٢٦

٣١ ۔ کشف الغطاء ۔ ٢٢٩

٣٢ ۔ البرهان للبروجردی ۔ ١٢٠

٣٣ ۔ آلاء الرحمن ۔ ١/١٨

٣٤ ۔ اصل الشیعۃ و اصولها ۔ ١٠١، ١٠٢

٣٥ ۔ اجوبۃ مسائل جار الله لعبد الحسین شرف الدین ۔ ٢٨ تا ٣٧

٣٦ ۔ البیان فی تفسیر القرآن ۔ ٢٠٠

٣٧ ۔ البیان فی تفسیر القرآن ۔ ٢٥٩

٣٨ ۔ تهذیب الاصول ۔ ٢/١٦٥

تحریف کی روایات

٣٩ ۔ اجوبۃ مسائل جار الله المسئلۃ الرابعۃ ۔ ٣١ تا ٣٧

شیعہ کتابوں میں تحریف کی روایتوں کے نمونے

٤٠ ۔ الکافی ۔ ٨/١٢٥، ٩٥

٤١ ۔ بحار الانوار ۔ ٤٥/٨

٤٢ ۔ الکافی ۔ ٨/٥٣، ١٦
٤٣ ۔ الکافی ۔ ١/٤١٧، ٢٦
٤٤ ۔ الکافی ۔ ١/٤١٤، ٨
٤٥ ۔ الوافی ۔ ٢/٢٧٣
٤٦ ۔ آلاء الرحمن ۔ ١/٢٦
٤٧ ۔ البیان فی تفسیر القرآن ۔ ٢٣٠
٤٨ ۔ الکافی ۔ ١/٢٨٦، ١
٤٩ ۔ الکافی ۔ ٢/٦٢٧، ٢
٥٠ ۔ تفسیر العیاشی ۔ ١/١٣، ٤
٥١ ۔ تفسیر العیاشی ۔ ١/٣١، ٦
٥٢ ۔ الکافی ۔ ١/٢٢٨، ١، بصائر الدرجات ۔ ٢١٢/١
٥٣ ۔ الکافی ۔ ١/٢٢٨، ٢، بصائر الدرجات ۔ ٢١٢/١
٥٤ ۔ مجمع الرجال ۔ ٤/٢٥٧ اور ٦/١٣٩، رجال ابن داؤد ٢٨١ / ٥١٦
٥٥ ۔ مجمع الرجال ۔ ٤/٢٥٧ اور ٦/١٣٩، رجال ابن داؤد ٢٨١ / ٥١٦
٥٦ ۔ التحقیق فی نفی التحریف ۔ ٦٢
٥٧ ۔ شرح الصحیفة السجادیة ۔ ٤٠١
٥٨ ۔ تفسیر العیاشی ۔ ١/١٢، ١٠
٥٩ ۔ الکافی ۔ ٢/٦٣١، ١٦
٦٠ ۔ ثواب الاعمال ۔ ١٠٠
٦١ ۔ الکافی ۔ ٨/٢٠٠، ٢٤١

شبہات اور ان کے جواب

٦٢ ۔ شرح ابن ابی الحدید ۔ ١/٢٧، الاتقان ۔ ١/٢٠٤، انساب الاشراف ۔ ١/٥٨٧، الطبقات الکبریٰ ٢/٣٣٨، مناهل العرفان ۔ ١/٢٤٧، کنز العمال ۔ ٢/٥٨٨، ٤٧٩٢
٦٣ ۔ الاعتقادات ۔ ٩٣
٦٤ ۔ اوائل المقالات ۔ ٥٥
٦٥ ۔ البیان فی تفسیر القرآن ۔ ٢٢٣
٦٦ ۔ ارشاد المفید ۔ ٢/٣٨٦ مؤسسہ آل البیت کی تحقیق، روضة الواعظین ۔ ٢٦٥

٦٧۔ غيبة النعمانی۔ ٣١٨، ٣١٩

٦٨۔ الكافی۔ ٢/٦٣٣، ٢٣

٦٩۔ الفقيه۔ ١/٢٠٣، ٦٩٠

٧٠۔ البيان فی تفسير القرآن۔ ٢٢١

٧١۔ تفسير الميزان۔ ٢١/١٢٠

اہلسنت اور نفی تحریف

٧٢۔ مجمع البيان۔ ل ١/٨٣

٧٣۔ الفقه علی المذاهب الاربعة۔ ٤/٢٦٠

٧٤۔ الفرقان۔ ١٦٣

٧٥۔ النسخ فی القرآن۔ ١/٢٨٣

٧٦۔ لاكون مع الصادقين۔ ١٦٨، ١٧٦

دو اہم حقیقتیں

٧٧۔ التحقيق فی نفی التحريف۔ ٣١٢

٧٨۔ تفسير المنار۔ ٢/١٠٤، ١٠٥

٧٩۔ لسان الميزان۔ ٢/١١٧، ١١٨ اور ١٣٧، ١٣٨، ميزان الاعتدال۔ ١/٤١٣، كنز العمال۔ ١/١٩٨، ١٠٠٠٢، نظرية عدالة الصحابة۔ ٢٠، الامامة فی اهم الكتب الكلامية و عقيدة الشيعة الامامية۔ ٤٦٣، ٥١٤

٨٠۔ صحيح البخاری۔ ٩/٩٠، ٢٦ سے ٢٩، صحيح مسلم۔ ١/٨١، ١١٨ سے ١٢٠ و ٤/ ١٧٩٦۔ ٣٢۔ مسند احمد۔ ٥/٣٧ و ٤٤ و ٤٩ و ٧٣۔ سنن الترمذی۔ ٤/٤٨٦، ٢١٩٣۔ سنن ابی داؤد ٤/٢٢١، ٦٨٤٦

٨١۔ التحقيق فی نفی التحريف۔ ٣٤٢

٨٢۔ اعجاز القرآن۔ ٤٤

اہلسنت کی کتابوں میں تحریف کی روایات

٨٣۔ الاتقان۔ ٣/٨٢، تفسير القرطبی۔ ١٤/١١٣، مناهل العرفان۔ ١/٢٧٣، الدر المنثور۔ ٦/٥٦٠

٨٤۔ محاضرات الراغب۔ ٢/٤، ٤٣٤

٨٥ ۔ الاتقان ۔ ٣/٨٢ ، مسند احمد ۔ ٥/١٣٢ ۔ المستدرک ۔ ٤/٣٥٩، السنن الکبری ٨/٢١١ ۔ تفسیر القرطبی ۔ ١٤/١١٣ ، الکشاف ٣/٥١٨ ، مناهل العرفان ۔ ٢/١١١ ۔ الدر المنثور ۔ ٦/٥٥٩

٨٦ ۔ الدر المنثور ۔ ٦/٥٥٩

٨٧ ۔ صحیح مسلم ٢/٧٢٦، ١٠٥٠

٨٨ ۔ مقدمتان فی علوم القرآن ۔ ٨٥ سے ٨٨

٨٩ ۔ مسند احمد ۔ ٥/٢١٩

٩٠ ۔ مناهل العرفان ۔ ١/٢٥٧ ۔ روح المعانی ۔ ١/٢٥

٩١ ۔ مناهل العرفان ۔ ١/٢٦٤

٩٢ ۔ السنن الکبری ۔ ٢/٢١٠ ۔ المصنف ۔ ٣/٢١٢

٩٣ ۔ المستدرک ۔ ٤/٣٥٩ اور ٣٦٠ ۔ مسند احمد ۔ ١/٢٣، ٢٩، ٣٦، ٤٠، ٥٠ ۔ طبقات ابن سعد ٣/٣٣٤ ۔ سنن الدارمی ۔ ٢/١٧٩

٩٤ ۔ الاتقان ۔ ٣/٢٠٦

٩٥ ۔ البرهان للزرکشی ۔ ٢/٤٣

٩٦ ۔ الناسخ و المنسوخ ۔ ٨

٩٧ ۔ الاتقان ۔ ٣/٨٤ اور کنز العمال ۔ ٢ حدیث ٤٧٤١

٩٨ ۔ صحیح مسلم ۔ ٢/١٠٧٥، ١٤٥٢ ۔ سنن الترمذی ۔ ٣/٤٥٦ ۔ المصنف للصنعانی ٧/٤٦٧ اور ٤٧٠

٩٩ ۔ الفقه علی المذاهب الاربعة ۔ ٤/٢٥٩

١٠٠ ۔ مشکل الآثار ۔ ٣/٦ سے ٨ ، الناسخ و المنسوخ ۔ ١٠، ١١ ۔ فتح المنان ۔ ٢٢٣ سے ٢٣٠ ۔ اصول السرخسی ۔ ٢/٧٨ ۔ التمهید فی علوم القرآن ۔ ٢/٢٨٢ ۔ الفقه علی المذاهب الاربعة ۔ ٢٥٨ سے ٢٦٠

١٠١ ۔ الناسخ و المنسوخ ۔ ١٠، ١١

١٠٢ ۔ مشکل الآثار ۔ ٣/٦ سے ٧

١٠٣ ۔ تفسیر المنار ۔ ٤/٤٧٢

١٠٤ ۔ مسند احمد ۔ ٦/٢٦٩ ۔ المحلّی ۔ ١١/٢٣٥ ۔ الجامع لاحکام القرآن ۔ ١٤/١١٣

١٠٥ ۔ اصول السرخسی ۔ ٢/٧٩

١٠٦ ـ جامع بيان العلم ـ ٢/١٠٥

١٠٧ ـ الاتقان ـ ٣/٨٢

١٠٨ ـ المصنف ـ ٢/٤٨٤

١٠٩ ـ المستدرك ـ ١/٢١٤

١١٠ ـ الاتقان ـ ١/٢٤٢

١١١ ـ ميزان الاعتدال ـ ٣/٦٣٩

١١٢ ـ الموافقات للشاطبي ـ ٣/١٠٦

١١٣ ـ مباحث في علوم القرآن ـ ٢٣٧

١١٤ ـ اظهار الحق ـ ٢/٩٠

١١٥ ـ الاحكام للآمدي ـ ٣/١٣٩ ـ اصول السرخسي ـ ٢/٦٧

١١٦ ـ البرهان في علوم القرآن ـ ٢/٤٧

١١٧ ـ البرهان في علوم القرآن ـ ٢/٤٣

١١٨ ـ مناهل العرفان ـ ٢/١١٢

١١٩ ـ التحقيق في نفي التحريف ـ ٢٧٩ ، صيانة القرآن من التحريف ـ ٣٠

١٢٠ ـ مباحث في علوم القرآن ـ ٢٦٥

١٢١ ـ فتح المنان ـ ٢٢٩

١٢٢ ـ الفقه على المذاهب الاربعة ـ ٤/٢٦٠

١٢٣ ـ الفرقان ـ ١٥٧

١٢٤ ـ الاتقان ـ ٢/٣٢٠، ٣٢١

١٢٥ ـ تاريخ القرآن الكردي ـ ٦٥ ،التفسير الكبير ـ ١١/١٠٥ ، تفسير النيسابوري ٦/٢٣ ـ تفسير الخازن ـ ١/٤٢٢

١٢٦ ـ روح المعاني ـ ٦/١٣

١٢٧ ـ وفيات الاعيان ـ ١/٣١٩ ـ ميزان الاعتدال ـ ٣/٩٣ ـ المغني في الضعفا ـ ٢/٤٨٠ الضعفا الكبير ـ ٣/٣٧٣ ـ طبقات ابن سعد ـ ٥/٢٨٧ ـ تهذيب الكمال ـ ٧/٢٦٣

١٢٨ ـ الاتقان ـ ٢/٣٢٧ ، لباب التاويل ـ ٣/٣٢٤ ، فتح الباري ـ ١١/٧

١٢٩ ـ التفسير الكبير ـ ٢٣/١٩٦

١٣٠ ـ البحر المحيط ـ ٦/٤٤٥

١٣١ ۔ الاتقان ۔ ٢/٣٢٠

١٣٢ ۔ الکتاب ۔ ١/٢٨٨ سے ٢٩١

١٣٣ ۔ روح المعانی ۔ ٦/١٣

١٣٤ ۔ معانی القرآن ۔ ١/٣١٠، مجمع البیان۔ ٣/٣٤٦، صیانة القرآن من التحریف۔ ١٨٣

١٣٥ ۔ تفسیر المنار ۔ ٦/٤٧٨

١٣٦ ۔ الکشاف ۔ ٣/٧٢

١٣٧ ۔ التفسیر الکبیر ۔ ٢٢/٧٥

١٣٨ ۔ الفرقان ۔ ٥٠

١٣٩ ۔ المصاحف ۔ ٤٩

١٤٠ ۔ المغنی ۔ ٢/٣٢٦۔ ٣٠٣٧

١٤١ ۔ البیان فی تفسیر القرآن ۔ ٢١٩

١٤٢ ۔ مسنداحمد ۔ ٥/١٢٩ ۔ الآثار ۔ ١/٣٣ ، التفسیر الکبیر ۔ ١/٢١٣ ، مناهل العرفان ١/٢٦٨ ، الفقه علی المذاهب الاربعة ۔ ٤/٢٥٨ ، مجمع الزوائد ۔ ٧/١٤٩

١٤٣ ۔ الجامع لاحکام القرآن ۔ ٢٠/٢٥١ ، الفهرست لابن ندیم ۔ ٢٩ ، المحاضرات ۔ ٢/٤٣٤،٤ ، البحر الزخار ۔ ٢/٢٤٩ ، المحلّی ۔ ١/١٣

١٤٤ ۔ التفسیر الکبیر ۔ ١/٢١٣ ، فواتح الرحموت بهامش المستصفیٰ ۔ ٢/٠٩ ، الاتقان ۔ ١/٧٩ ، البحر الزخار ۔ ٢٤٩

١٤٥ ۔ اعجاز القرآن بهامش الاتقان ۔ ٢/١٩٤

١٤٦ ۔ البرهان للزرکشی ۔ ٢/١٢٨ ، شرح الشفاء للقاری ۔ ٢/٣١٥ ، مناهل العرفان ۔ ١/٢٦٩ ، المحلّی ۔ ١/١٣

١٤٧ ۔ شرح الشفاء للقاری ۔ ٢/٣١٥ ، مناهل العرفان ۔ ١/٢٦٩

قرآن کی تدوین

١٤٨ ۔ المستدرک ۔ ٢/٦١١

قرآن کی تدوین اور تحریف کا مسئلہ

١٤٩ ۔ اعجاز القرآن ۔ ٤١

١٥٠ ۔ الدر المنثور ۔ ٥/١٧٩

١٥١ ۔ مجمع البيان ۔ ٨٥/١

١٥٢ ۔ مناهل العرفان ۔ ٢٣٤/١ ، مسند احمد ۔ ٣٢٤/٥ ، تاريخ القرآن للصغير ۔ ٨٠ ، مباحث في علوم القرآن ۔ ١٢١ ، حياة الصحابة ۔ ٢٦٠/٣ ، مستدرك الحاكم ۔ ٣٥٦/٣

١٥٣ ۔ الاتقان ۔ ٢٥٠/١ ، المستدرك ۔ ٦١١/٢

١٥٤ ۔ كنز العمال ٢/حديث ٤٣٤٠

١٥٥ ۔ مجمع الزوائد ۔ ١٥٢/١

١٥٦ ۔ المستدرك ۔ ٢٢٢/٢ ، الجامع الصحيح للترمذي ۔ ٢٧٢/٥ ۔ تاريخ اليعقوبي ۔ ٤٣/٢ ، البرهان للزركشي ۔ ٣٠٤/١ ، مسند احمد ۔ ٥٧/١ اور ٦٩ ، تفسير القرطبي ۔ ٦٠/١

١٥٧ ۔ كنز العمال ١٢/حديث ٣٤٢١٤ ، مجمع الزوائد ٢٣/٩ ، صحيح البخاري ٣١٩/٦

١٥٨ ۔ البرهان للزركشي ۔ ٣٠٦/١

١٥٩ ۔ المعارف ۔ ٢٦٠

١٦٠ ۔ الاستيعاب ۔ ٩٩٢/٣

١٦١ ۔ كنز العمال ١/حديث ٢٢٨٠

١٦٢ ۔ كنز العمال ١/حديث ٢٤١٧

١٦٣ ۔ كنز العمال ١/حديث ٢٤٣٠

١٦٤ ۔ الجامع لاحكام القرآن ۔ ٥٨/١

١٦٥ ۔ مجمع البيان ۔ ٨٤/١

١٦٦ ۔ سنن الدارمي ۔ ٤٧١/٢ ، سنن ابي داؤد ۔ ٥٤/٢ ، الجامع الصحيح للترمذي ۔ ١٩٦/٥ ، مسند احمد ۔ ١٦٣/٢

١٦٧ ۔ مجمع الزوائد ۔ ١٧١/٧

١٦٨ ۔ الموسوعة القرآنية ۔ ٣٥٢/١

١٦٩ ۔ مناهل العرفان ۔ ٢٣٦/١ ، الجامع لاحكام القرآن ۔ ٥٦/١ ، اسد الغابة ۔ ٢١٦/٤ ؛ الجامع الصحيح ۔ ٦٦٦/٥

١٧٠ ۔ طبقات ابن سعد ۔ ٢ قسم ١١٢/٢ ، البرهان للزركشي ۔ ٣٠٥/١ ، الاصابة ۔ ٥٠/٢ ، مجمع الزوائد ۔ ٣١٢/٩

۱۷۱۔ المحبر۔ ۲۸٦٦

۱۷۲۔ الفہرست۔ ٤١

۱۷۳۔ صحیح مسلم۔ ٤/ ۱۸۷۳، سنن الترمذی۔ ٥/ ٦٦٢، سنن الدارمی۔ ۲/ ٤٣١، مسند احمد۔ ٤/ ٣٦٧ اور ٣٧١ اور ٥/ ۱۸۲، المستدرک۔ ۳/ ۱٤۸

۱۷٤۔ مجمع الزوائد۔ ۷/ ۱٦٥، البرہان للزرکشی۔ ۱/ ٥٤٥

۱۷٥۔ البرہان للزرکشی۔ ۱/ ٥٤٦

۱۷٦۔ مجمع الزوائد۔ ۷/ ۱۷۱

۱۷۷۔ کنز العمال۔ ۱ حدیث ۲۲٦۲

۱۷۸۔ کنز العمال۔ ۱ حدیث ۲۲٦٥، ۲۳٥۸، ۲۳٥۹

۱۷۹۔ کنز العمال۔ ۱ حدیث ۲٤۰۷

۱۸۰۔ مجمع الزوائد۔ ۹/ ۳۷۱، حیاۃ الصحابہ۔ ۳/ ۲٤٤

۱۸۱۔ کنز العمال۔ ۱ حدیث ٤۷۹۲

قرآن کی تدوین اور شیخین کا زمانہ

۱۸۲۔ صحیح البخاری۔ ٦/ ۳۱٤، ۸

۱۸۳۔ الاتقان ۱/ ۲۰۲

۱۸٤۔ الاتقان ۱/ ۲۰٥

۱۸٥۔ مستدرک الحاکم۔ ۳/ ٦٥٦، تہذیب تاریخ دمشق۔ ٤/ ٦۹، محاضرات الادباء مجلد۲، جلد ٤/ ٤۳۳، فتح الباری۔ ۹/ ۱۳، تاریخ الخلفاء۔ ۷۷، مآثر الانافۃ۔ ۱/ ۸٥، البرہان للزرکشی۔ ۱/ ۲۸۱، التمہید فی علوم القرآن۔ ۱/ ۲٤٦، المصاحف۔ ۱۱/ ۱٤

۱۸٦۔ طبقات ابن سعد۔ ۳/ ۲۱۱، تاریخ الخلفاء۔ ٤٤

۱۸۷۔ الاتقان۔ ۱/ ۲۰٤

۱۸۸۔ الاتقان۔ ۱/ ۲۰٦

۱۸۹۔ کنز العمال۔ ۲۔ حدیث ٤۳۹۷

۱۹۰۔ کنز العمال۔ ۲۔ حدیث ٤۷٦٤

۱۹۱۔ منتخب کنز العمال بہامش مسند احمد۔ ۲/ ٤۳، ٥۲، اسد الغابۃ (نافع بن ظریب)

۱۹۲۔ مستدرک الحاکم۔ ۳/ ۳۱۸، مجمع الزوائد۔ ۹/ ۲۸۷، مسند احمد۔ ۱/ ٤٤٥

۱۹۳۔ الاستیعاب۔ ۳/ ۹۹۳

۱۹۴۔ الاحتجاج ۱/۳۸۳، البحار ۹۲/۴۰

۱۹۵۔ الغدیر ۶/۳۰۸ (مفتاح السعادۃ ۱/۳۵۱ سے)، طبقات القراء۔ ۱/۵۴۶

۱۹۶۔ الاستیعاب ۱/۴۹، اسد الغابۃ۔ ۱/۴۹، الجامع الصحیح۔ ۵/۶۶۵، الجامع لاحکام القرآن۔ ۱/۸۲، مشکل الآثار۔ ۱/۳۵۰

۱۹۷۔ صحیح البخاری ۵/۱۱۷، ۲۹۴، مجمع الزوائد۔ ۹/۳۱۱

عثمانی دور حکومت میں تدوین قرآن

۱۹۸۔ صحیح البخاری۔ ۶/۳۱۵۔۹

۱۹۹۔ منتخب کنز العمال بھامش مسند احمد۔ ۲/۴۳۔۵۲

۲۰۰۔ الاتقان۔ ۱/۲۱۱

۲۰۱۔ فتح الباری۔ ۹/۱۵

۲۰۲۔ البرھان للزرکشی۔ ۱/۳۰۲

۲۰۳۔ مجلۃ رسالۃ الاسلام۔ القاھرۃ۔ السنۃ ۱۱ العدد ۴۴ ص ۳۸۲۔۳۸۵

۲۰۴۔ الفصول المھمۃ۔ ۱۶۴ سے ۱۶۶

۲۰۵۔ لاکون مع الصادقین۔ ۱۶۸ سے ۱۷۶

۲۰۶۔ التحقیق فی نفی التحریف۔ ۱۳۸

۲۰۷۔ حقائق ھامۃ۔ ۳۴

مجمع العلماء الإسلامي
Group of Islamic Scholars

GIS
GROUP OF ISLAMIC SCHOLARS

GIS
GROUP OF ISLAMIC SCHOLARS

مجمع العلماء الاسلامی